سہ ماہی نئی دہلی

خبرنامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر:۱۰ | اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء | شمارہ نمبر:۱

ایڈیٹر

(مولانا) محمد ولی رحمانی

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail: aimplboard@gmail.com / Web: www.aimplboard.in

پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
۲	ابتدائیہ	(حضرت) مولانا محمد ولی رحمانی	۳
۳	مولانا سید نظام الدین اور ان کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور.....	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵
۴	ایک روشن چراغ تھا نہ رہا	(حضرت) مولانا کاکا سعید احمد عمری	۸
۵	حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ..... ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم!	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۰
۶	یونیفارم سول کوڈ۔ عدالتیں بھی حقیقت سے اندھی	محمد عبدالرحیم قریشی	۱۴
۷	یکساں سول کوڈ -- ایک تجزیہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۹
۸	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملک گیر "دین اور دستور بچاؤ تحریک"...	مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی	۲۴
۹	مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس اور امروہہ کی تاریخی اہمیت	شبیہ احمد	۲۶
۱۰	امروہہ ایک مختصر تاریخی جائزہ	مفتی محمد اسلم امروہی	۲۹
۱۱	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	وقارالدین لطیفی	۳۱
۱۲	دین اور دستور بچاؤ تحریک کی سرگرمیاں	وقارالدین لطیفی	۳۵

ابتدائیہ

مولانا محمد ولی رحمانی
کارگزار جنرل سکریٹری بورڈ

مؤرخہ ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دوسرے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام صاحبؒ کی وفات ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی وفات یقیناً بورڈ کے لئے اور ان تمام اداروں کے لئے غیر معمولی نقصان ہے، جن سے ان کی وابستگی تھی اور جن کا سفر ان کی مدبرانہ قیادت، مومنانہ فراست اور حکیمانہ طرز عمل کے تحت طے ہورہا تھا، وہ بورڈ کے بانی جنرل سکریٹری امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی وفات کے بعد ۱۲/مئی ۱۹۹۱ء کو بورڈ کے دوسرے جنرل سکریٹری نامزد ہوئے، اور تاوفات اس خدمت کو انجام دیتے رہے، وہ اول دن سے تحفظ شریعت کے اس کارواں میں شریک تھے، اور انہوں نے مسلم پرسنل لا کنونشن ۱۹۷۲ء میں بھی شرکت کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا، حلم و بردباری، اصابت رائے اور تواضع ان کے نمایاں اوصاف تھے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے لئے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور جن پودوں کو تناور بنانے میں انہوں نے محنتیں کی ہیں، وہ ہمیشہ سرسبز وشاداب رہیں۔

ملک اس وقت بڑی نازک صورت حال سے گزر رہا ہے، ہمارا یہ ملک کئی ملکوں کا ایک ملک ہے، مذہبوں، تہذیبوں، زبانوں اور نسلوں کا جو تنوع اس ملک میں پایا جاتا ہے، دنیا میں بہت کم اس کی مثال ملے گی؛ اس لئے آزادی سے پہلے ہی اس ملک کے لئے جو راستہ طے کیا گیا تھا، وہ یہ کہ یہاں ہر گروہ کو موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی شناخت اور مذہبی وتہذیبی تشخصات کے ساتھ زندہ رہے گا، یہ فیصلہ ان لوگوں کا تھا، جنھوں نے اس ملک کی آزادی کے لئے قید خانوں کو آباد کیا تھا، ملازمتوں سے محرومی گوارا کی تھی، جانی ومالی نقصان اٹھایا تھا، اور اپنے لہو کا نذرانہ پیش کیا تھا، ان کا خواب تھا کہ ان کا وطن امن وامان کا گہوارہ ہوگا، یہاں محبت کے غنچے کھلیں گے، بھائی چارہ کی خوشبو پھیلے گی، ہر گروہ کے ساتھ انصاف ہوگا، نہ مذہب کے بنیاد پر کوئی امتیاز برتا جائے گا، نہ ذات پات کی بنیاد پر کوئی تفریق ہوگی، نہ کسی زبان کو زبردستی مسلط کرنے اور کسی زبان کو دبانے اور ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی، اسی خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے ایک ایسا دستور بنایا گیا، جس کی بنیاد جمہوریت، سیکولرزم، بھائی چارہ اور انصاف وآزادی پر رکھی گئی۔

مگر افسوس کہ اب اس سے انحراف کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، سازشیں رچی جارہی ہیں کہ اقلیتوں کو اکثریت کے وجود میں ضم کردیا جائے اور ان کو ان کی شناخت سے محروم کردیا جائے ''منوواد'' کو زندہ کیا جائے اور پورے ملک کو برہمنی تہذیب کے حوالہ کردیا جائے؛ اس لئے مسلمانوں، عیسائیوں، بدھسٹوں اور دلتوں پر مظالم کا سلسلہ جاری ہے، یہ ان فرقہ پرست اور قوم دشمن گروہوں کی طرف سے ہورہا ہے، جو جنگ آزادی میں خون کے دریا سے دور ساحل کے تماشہ بین تھے، جنھوں نے انگریزوں کی ہمنوائی کی تھی، ملک کی آزادی اور تعمیر کے لئے کبھی ان کے تلووں میں ایک کانٹا بھی نہیں چبھا؛ لیکن آج وہی گروہ قوم وملک کو دھوکہ دینے کے لئے قوم پرست اور محب وطن ہونے کا بیڑا اٹھائے ہوا ہے، افسوس کہ جو لوگ اپنے آپ کو سیکولر کہتے ہیں، انہوں نے سنجیدگی، دل کی آمادگی اور حوصلہ وہمت کے ساتھ اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش نہیں کی؛ اس لئے فسطائی طاقتیں بام اقتدار پر پہونچ گئیں، اور اب ملک کی جمہوری قدریں خطرہ سے دوچار ہیں۔

اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت

یہ ہے کہ خود مسلمان اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں، وہ ملک کی دوسری اقلیتوں کی بھی آواز بنیں اور ان مظلوم و ستم زدہ دلتوں کو بھی اپنے ساتھ لیں، جو ہزاروں سال سے برہمنی ظلم و جور کا شکار ہیں، اور ہمارے قدم سے قدم ملا کر ساتھ چلنے کو تیار ہیں، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثریتی فرقہ میں بھی بہت بڑی تعداد ایسے انصاف پسند اور امن پسند لوگوں کی ہے، جو اس فسطائی طرز عمل سے نالاں ہیں، ابھی ملک کے دانش وروں ادیبوں، مؤرخوں نے احتجاج کے طور پر اپنے اعزازات واپس کر دیئے، یہ بہت بڑا واقعہ ہے، جو اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اس ملک کا ضمیر زندہ ہے؛ اس لئے اگر ہم اپنی صفوں کو منظم کریں تو فرقہ پرست عناصر منھ چھپانے پر مجبور ہو جائیں گے؛ مگر اس کے لئے ضرورت ہے منظم جدوجہد، باہمی اتحاد، حسن تدبیر اور حوصلہ و ہمت کی!

تحفظ بھی دستور کی حفاظت سے جڑا ہوا ہے؛ اسی لئے بورڈ نے ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' دونوں کی حفاظت کو تحریک کا موضوع بنایا ہے۔

یہ بات بڑی خطرناک ہے کہ فرقہ پرست قوتیں اپنی غیر قانونی حرکتوں کو قانونی جواز عطا کرنے کی خاطر دستور میں تبدیلی کے لئے کوشاں ہیں، از کار رفتہ قوانین کے نام سے ایسے قوانین کو حکومت ختم کرنا چاہتی ہے، جن سے مسلم پرسنل لا کو تحفظ حاصل ہے، وہ دستور میں ایسی تبدیلی چاہتے ہیں، جو آر ایس ایس کے فکر کی آئینہ دار ہو، جس میں اقلیتوں کو دوسرے نمبر کا شہری بنا لیا جائے، اور دلتوں کو شودر کا درجہ حاصل ہو جائے؛ اس لئے ایک طرف ہمیں مسلمان کی حیثیت سے دین و مذہب کی حفاظت کرنی ہے، دوسری طرف ایک محب وطن ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے دستور کو بچانا ہے۔

اسی مقصد کے تحت بورڈ نے ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' شروع کی ہے، دین کو بچانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام طبقات کی مذہبی آزادی محفوظ رہے، انہیں اپنے عقیدہ اور اپنی مذہبی تعلیمات کے خلاف عمل پر مجبور نہ کیا جائے، ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا پورا اختیار حاصل ہو، انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا پورا پورا حق حاصل ہو، جیسا کہ دستور میں ضمانت دی گئی ہے، افسوس کہ حکومت کے تحفظ میں نہ صرف ناکام ہو چکی ہے؛ بلکہ وہ خود دستور کا بخیہ ادھیڑ رہی ہے، اسکولوں میں بچوں کو سوریہ نمسکار کی ترغیب دی جا رہی ہے، سرسوتی کی پوجا کرائی جا رہی ہے، سرکاری دفتروں میں وندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ پڑھایا جا رہا ہے، تعلیم کو زعفرانی رنگ دینے کی پوری تیاری ہو رہی ہے، بہت سے چرچ جلا دئے گئے ہیں، بعض دلتوں کو برہمن کے مندروں میں آنے کی وجہ سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیا گیا، جو لوگ کہتے ہیں، کہ ہم ہندو نہیں ہیں ان کو بھی زبردستی ہندو قرار دیا جاتا ہے، اگر کوئی ہندو مسلمان یا عیسائی ہو جائے تو اسے جبری تبدیلی مذہب قرار دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف مسلمانوں اور عیسائیوں کو ہندو مذہب میں لانے کے لئے علی الاعلان ''گھر واپسی'' پروگرام چلایا جاتا ہے؛ اس لئے دین و مذہب کی حفاظت مسلمانوں کا تو فریضہ ہے ہی؛ ساتھ ہی مذہبی آزادی کا

چونکہ ملک کے موجودہ حالات اور فطائی طاقتوں کے عزائم سے نہ صرف مسلمان تشویش میں مبتلا ہیں؛ بلکہ دوسری اقلیتیں اور پسماندہ طبقات بھی اپنے لئے سخت خطرات محسوس کر رہے ہیں؛ اس لئے طے کیا گیا ہے کہ اس تحریک میں دوسری اقلیتوں اور ظلم و ناانصافی سے دوچار گروہوں کو بھی اپنے ساتھ لیا جائے، اس تحریک کو مؤثر بنانے کے لئے ملت کے افراد اور ملی تنظیموں کا تعاون ضروری ہے، ضروری ہے کہ ہم چوکنا رہیں، ہماری صفوں میں ملک دشمن عناصر انتشار پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو جائیں، ورنہ ہمارے لئے اپنی منزل تک پہونچنا دشوار ہو جائے گا، اس کے ساتھ ساتھ اس کام میں وسیع مالی تعاون کی ضرورت ہوگی، یہ مالی تعاون جہاں عوامی تحریک کو فروغ دینے کے لئے ضروری ہے، وہیں عدالتی چارہ جوئی کے لئے بھی ضروری ہے، ایک ایسی حکومت پر جو بڑی اکثریت رکھتی ہو اور فرقہ واریت کو ہی اس نے اپنا ایجنڈا ہی بنا رکھا ہو، روک لگانے کی مؤثر تدبیر عوامی بیداری کے ساتھ ساتھ عدالتی کارروائی ہی ہو سکتی ہے، ضرورت ہے کہ ملت کے اصحاب خیر آگے بڑھیں اور قوم و ملت کے مسائل کو حل کرنے میں اسی طرح قربانی پیش کریں، جیسے وہ اپنے ذاتی اور نجی مسائل کے لئے پیش کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

مولانا سید نظام الدین صاحبؒ اور سابق صدر بورڈ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تعلق

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (صدر بورڈ)

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی شخصیت سے مجھے واقفیت آج سے نصف صدی قبل ہوئی تھی، وہ اس وقت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے مرکزی دفتر پھلواری شریف کے ذمہ دار تھے، میں ایک تقریب میں جو مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے گھر کی تھی پھلواری شریف گیا تھا، اس موقع سے امارت شرعیہ بھی جانا ہوا، وہاں مولانا سے ملاقات ہوئی، امارت شرعیہ کے کاموں کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے میں نے ان کی اہمیت کا اندازہ کیا، بعد میں عرصہ تک براہ راست ملاقات کا موقع نہیں ملا، لیکن ان کی مؤقر حیثیت ان کے کام و مقام کے لحاظ سے ذہن میں رہی، پھر جب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے کاموں کے سلسلہ میں ان کے متعلق معلومات حاصل ہوتی رہیں، اور بورڈ کے اس وقت کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا شاہ سید منت اللہ رحمانیؒ نے ان کو تحفظ شریعت کے کاموں میں شریک کار بنایا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے صدر ہونے کی وجہ سے بورڈ کی مشاورتی نشستیں لکھنو میں اور خصوصا ندوۃ العلماء میں بھی ہوتی، وہ اس میں تشریف لاتے اس طرح مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بھی ان کا تعلق بڑھا، دونوں کے درمیان قدردانی کا تعلق قائم ہوا، ملی مسائل کے سلسلہ میں مشارکت سے اس تعلق میں اضافہ ہوا، اور ملت کے قابل فکر معاملات میں تبادلہ خیال ہوا، اور دین وملت کی خیر خواہی اور اخلاص عمل اور علم وفہم اور فکری ومزاجی ہم آہنگی کے لحاظ سے دونوں کے درمیان ربط بڑھا، اسی کا اثر تھا کہ جب حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا، تو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ میں ان کے جانشین کی حیثیت سے مولانا سید نظام الدین صاحبؒ پر ان کی نگاہ پڑی، اور بورڈ کے ارکان عاملہ کے مشورہ سے ان کو بورڈ کا جنرل سکریٹری نامزد فرمادیا، جس کی پھر انتخابی اجلاس میں ارکان بورڈ نے توثیق وتصدیق کی۔

انہوں نے ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل میں جس طرح ہوشمندی حکمت وتدبر، توازن واعتدال کے ساتھ مشورے دیئے، اور رہنمائی کی اس سے ان کو بہت جلد بلند مقام حاصل ہوگیا، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو بھی ان کے تعاون وحسن کارکردگی سے بڑی تقویت حاصل ہوئی، بورڈ کے کئی بڑے اجلاس ملک کے بڑے اور اہم شہروں میں منعقد ہوئے، جن کے تحت ضروری مشورہ وتجویز عمل کے سلسلہ میں مشارکت ہوئی، اور جے پور اجلاس میں دارالقضاء کی تحریک اور اصلاح معاشرہ کو زیادہ قوت سے پیش کیا گیا۔

احمد آباد کے اجلاس میں ان کے مشورے کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بڑی اہمیت دی، جس میں انہوں نے ندوۃ العلماء سے بعض کارگزار افراد کو اس اجلاس کے کامیاب اور مؤثر بنانے کے لیے مانگا تھا، چنانچہ مولانا سید محمد مرتضٰی مظاہری اور نوجوان اساتذہ میں عزیزان مولوی سلمان حسینی، مولوی خالد ندوی غازیپوری اور مولوی محمد رضوان ندویؒ وغیرہ کو بھیجا، اور بڑا کامیاب جلسہ احمد آباد میں منعقد ہوا، جس میں مقامی لوگوں میں مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری، مولانا غلام محمد وستانوی، اور ظفر سریش والا وغیرہ نے بڑا حصہ لیا تھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اپنی زندگی کے آخری

اجلاس میں جو ممبئی میں منعقد ہوا تھا، صحت کی کمزوری کی بناء پر خود تشریف نہ لے جاسکے تھے، باقی ہر اجلاس میں انہوں نے شرکت فرمائی تھی یہاں ان کا خطبہ صدارت ان کی نمائندگی کرتے ہوئے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے پیش کیا تھا، مولانا سید نظام الدین صاحبؒ اراکین کے انتخاب، اور حکومت سے رابطہ اور میڈیا سے گفتگو وغیرہ کے امور میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی منشاء تک کا لحاظ کرتے، اور جو قدم بھی وہ اٹھاتے اس میں ان کی فکر و رائے کا پورا احترام و لحاظ کرتے، اس میں بورڈ کے دوسرے عہدہ داران اور ارکان میں وہ زیادہ ممتاز نظر آتے تھے۔

وہ حضرت مولانا سے صرف انتظامی تعلق نہیں رکھتے تھے، بلکہ وہ تعلق رکھتے تھے جو ایک مسترشد کا اپنے مرشد کے ساتھ شاگرد کا اپنے استاد کے ساتھ، اور مرید کا اپنے پیر کے ساتھ ہوتا ہے، وہ اپنی ہر ملاقات میں دینی استفادہ کو ملحوظ رکھتے تھے اور ان کے رائے و مشورے کو عمل میں لانے کے لیے بڑی مستعدی سے کام لیتے تھے، ان کے اندر سعادت و شرافت کی یہ باتیں زمانہ طالب علمی سے موجود تھی، جب وہ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کررہے تھے، اور اسی زمانے سے ان کو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق خاطر تھا، حدیث کی تعلیم انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ سے حاصل کی، ان میں ان کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے زیادہ تعلق تھا، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ شیخ الحدیث کے ساتھ صدر المدرسین کے منصب پر بھی فائز تھے، اور ان سے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کو بھی پڑھنے کا شرف اور عقیدت کا تعلق تھا، دونوں کے زمانہ تعلیم میں خاصہ فرق تھا، جو پندرہ سال کا تفاوت رکھتا ہے، سن ۴۶، ۴۷ کا سال مولانا نظام الدینؒ کے دورہ حدیث کا سال تھا، اور ۱۹۴۶ء میں میرا بھی دیوبند میں بحیثیت طالب علم قیام تھا، مگر طلباء کی کثرت کی وجہ سے میرا ان سے تعارف نہ ہوسکا تھا وہ دیوبند سے تعلیم مقرر کرکے اپنے وطن بہار آگئے تھے، اور تدریس اختیار کرلی، ان کو تدریس سے امارت شرعیہ آنے کی امیر شریعت مولانا شاہ منت اللہ رحمانیؒ نے دعوت دی تھی، لیکن مدرسہ والوں نے ان کو مجبور کیا کہ وہ ابھی نہ جائیں ان کے فوری طور پر جانے سے مدرسے کا ناقابل تلافی نقصان ہوگا، سن ۱۹۶۵ء میں وہ امارت شرعیہ آگئے اور اس طرح انہوں نے پورے پچاس سال امارت شرعیہ کی خدمت انجام دی، اور وہیں سے ان کو سفر آخرت کے لیے الوداع کہا گیا، اور پھلواری شریف کے ایک قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

مولانا سید نظام الدین صاحبؒ سے حضرت مولانا علی میاںؒ کو جو مناسبت تھی اور ان کے فہم و بصیرت اور علم و آگہی کی انہیں جو قدر تھی اس کا اعتراف انہوں نے ان کو ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کا رکن بنا کر کیا، اور ان کے امیر شریعت کے انتخاب میں بھی دلچسپی لی۔

مولانا نظام الدین صاحبؒ نے علمی و ملی خدمت اور اس میں ایک منصب و مقام حاصل کرنے کے باوجود دینی ترقی میں قناعت کو اختیار نہ کیا، بلکہ برابر تعلق مع اللہ اور دینی ترقی میں مؤثر صفات و اخلاق کو اختیار کرنے میں لگے رہے، دینی شخصیات نے استرشاد اور استفادہ کا تعلق جاری رکھا، ان کا یہ تعلق دارالعلوم دیوبند میں اپنی طالب علمی کے اختتامی زمانے میں اپنے استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ہوا تھا، اور اس کے چند سال بعد ۱۹۵۲ء میں وہ ان سے ان کے ایک سفر بہار میں بیعت ہوگئے تھے، اور اس موقع پر ان کو حضرت مدنیؒ نے جو نصیحتیں فرمائی تھی ان پر وہ تا عمر عمل پیرا رہے، اور ان وظائف و اوراد کی بھی ہمیشہ پابندی کی، جو ان کو حضرت مدنی نے تلقین فرمائی تھی، ان کو وہ نصیحتیں ہمیشہ انہی الفاظ میں یاد رہیں، جنہیں وہ اسی طرح دہرا دیتے تھے۔ جیسا کہ مولانا نے خود بتایا کہ دیر تک کلمات تلقین فرمائے، پہلا دوسرا کلمہ پڑھایا، اور عہد لیا کہ جھوٹ نہیں بولوگے، اذیت نہیں پہونچاؤگے، اور شرک کی کوئی بات نہیں کروگے، مخلوق کی خدمت کروگے، سنت کی پیروی کروگے، حلال کی رغبت رکھوگے، حرام سے بچوگے، اور بھی دیر تک نصیحتیں فرمائیں،

مولانا فرماتے تھے میں نے سر سے ٹوپی اتاری، حضرت نے سر پر ہاتھ پھیرا، سنت کی اتباع اور استغناء عن الخلق اور حق پر قائم رہنے پر زور دیا، اور فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے، اس کی کوشش کرو کہ اللہ راضی ہو جائے، چنانچہ مولانا نے پوری زندگی اس وصیت کو پیش نظر رکھا، اور تمام اعمال میں رضائے الٰہی کو مقصد حیات بنایا۔

حضرت مدنی کے بعد باضابطہ انہوں نے کسی سے بیعت نہ کی، اس لیے کہ حضرت مدنی کا جو مقام اور رتبہ تھا اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس وقت کے مشائخ ان کے مریدین کو باضابطہ بیعت نہیں کرتے تھے اور اسی بیعت پر قائم رکھتے ہوئے سرپرستی فرماتے تھے، بہار کے مشائخ نے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے خلیفہ مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ اور صاحبزادے مولانا شاہ منت اللہ رحمانیؒ دونوں بزرگوں سے انہیں عقیدت و محبت تھی، بعد میں یہ تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے بھی ہو گیا تھا، حضرت مولانا سے انہیں جو عقیدت کا تعلق ہوا اس میں دو اہم باتوں کو انہوں نے اپنے بعض احباب سے ذکر کیا، ایک تو یہ کہ ان کی مجلس میں کسی کی غیبت کا گذر نہیں ہے، اور ایک بات اور جس نے ان کو متاثر کیا کہ ان کی زندگی میں حیا بہت وسیع مفہوم میں اور مختلف نوعیت سے جلوہ گر تھی، اور ایک بڑے جلسہ میں اس وصف کو بھی بیان کیا، جو انہوں نے ان کے اندر داعیانہ کردار اور عالمانہ وقار کا بڑی بلندی سے دیکھا تھا، انہیں حضرت مولانا کے سلسلہ میں خلافت بھی حاصل ہوئی، اور بعض طالبین کو ان کے اصرار پر بیعت میں بھی داخل کیا، جب کہ عمومی طور پر اخفاء سے ہی کام لیا، اور پوری زندگی میں سادگی و قناعت و تواضع و اخلاق و اعتدال، توازن انفرادی و اجتماعی بہی خواہی، ہمدردی تحمل، صبر و برداشت، شکر کے مواقع پر شکر اور جذبہ احسان مندی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔

حضرت مولانا کی زندگی میں ہی اور وفات کے بعد میرا اور ان کا باہمی ربط خاص طور پر بڑی اپنائیت کا اور شفقت کا بڑھ گیا تھا اور وہ ایک چاہنے والے بھائی کی طرح پیش آتے تھے، ندوۃ العلماء کے مسائل میں بھی وہ بڑے خیر خواہانہ اور مفید مشوروں سے نوازتے اور تقویت پہونچاتے تھے، اعذار کے باوجود ندوۃ العلماء کی مجلسوں میں شرکت کا اہتمام فرماتے۔

بورڈ کے کاموں اور مسائل میں ان کے ساتھ بڑی فکری ہم آہنگی رہی، اور جب کبھی کوئی ایسی بات بعض مصلحتوں سے کہنی پڑی، جس میں ان کی رائے مختلف ہوئی، تو بھی عموماً میری رائے کو نظر انداز نہیں کیا، بورڈ کی عاملہ کے آخری جلسہ میں جو لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا، وہ اپنی صحت کی خرابی اور اعذار کی وجہ سے دست برداری کی بات کہہ رہے تھے، میں نے ان کو ایسا نہ کرنے کی درخواست کی، اور ان کے سکریٹریوں میں ایک اہم سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے صاحبزادے مولانا شاہ سید محمد ولی رحمانی کو کارگذار سکریٹری جنرل کے طور پر اضافے کی بات رکھی، اور عاملہ نے بھی اس کو قبول کیا، اور یہ بڑی اچھی شکل سامنے آئی، مجھے ان سے بڑی اپنائیت معلوم ہوتی تھی اور ان کو جو اپنائیت کا تعلق تھا اس میں حضرت مولانا علی میاںؒ کے رشتے کو بڑا دخل تھا، کہ وہ میرے ماموں تھے، مولانا علی میاںؒ سے ان کو جو ربط و تعلق تھا وہ اس کا اظہار بھی کرتے تھے، اور اپنے خاندان کے بزرگوں کا ان کے خاندانی بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق کا ذکر کرتے تھے، کہ ان کے اجداد میں بعض حضرات حضرت شہیدؒ کے قافلہ میں شامل تھے، اور ان کے جد امجد سید صادق علیؒ جو بذات خود حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ سفر ہجرت و جہاد میں نہیں گئے تھے، لیکن ان کو افراد و سامان رسد مہیا کرانے کا کام جاری رکھے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے مخلصانہ تعلق کی برکات ہمیں بھی عطا فرمائے، اور ان کے درجات کو بلند کرے، آمین۔

❁❁❁

ایک روشن چراغ تھا نہ رہا

حضرت مولانا کاکا سعید احمد عمری (نائب صدر بورڈ)

۱۷ اکتوبر ۲۰۱۵ء کی شام، مغرب کے وقت فون کے ذریعے یہ دکھ بھری اطلاع ملی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کے امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحب ابھی ساڑھے چھ بجے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

خبر اَن ہونی بھی نہیں تھی، کیوں کہ مولانا عرصے سے بیمار، بلکہ فریش تھے۔ ایک ہفتہ قبل ہسپتال والوں نے صحت کی طرف سے مایوسی ظاہر کی تھی، جس کی وجہ سے انھیں ہسپتال سے امارت شرعیہ منتقل کیا گیا تھا۔ آخر وقتِ موعود آ پہنچا اور مولانا سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ تقریباً ۹۰ سال کی عمر پائی۔

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ مجھے خدمت دین و ملت کے حوالے سے سفر و حضر میں آئے دن مختلف قسم کے لوگوں سے ملنے جلنے اور معاملات کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ ان میں بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں، جن کی زندگی گونا گوں خوبیوں سے سجی ہوتی ہے اور جو پہلی ہی نظر میں دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ ایسی ہی ایک نیک دل اور پُرکشش شخصیت مولانا سید نظام الدین مرحوم کی تھی، جو خلوص و محبت اور جذبۂ دل داری و دل نوازی کا سرچشمہ تھے۔ دیکھنے میں انتہائی خاموش مزاج معلوم ہوتے تھے، مگر جب میں ان سے قریب ہوا تو ان کی زندہ دلی اور خوش مزاجی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

مولانا سید نظام الدین صاحب کو میں نے ہمیشہ انتہائی خلیق، ملنسار اور خورد نواز پایا۔ وہ بڑے قد آور انسان تھے، مگر ہر ایک سے بڑی شفقت و محبت سے ملتے۔ ان سے میری پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی، یہ تو مجھے ٹھیک سے یاد نہیں، مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں میں ان سے متاثر ہوا تھا۔ جب کبھی ان سے ملتا فرحت و مسرت کی روح افزا ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس کرتا۔ ملاقات کے وقت اس قدر اپنائیت کا مظاہرہ فرماتے، معلوم ہوتا کہ میں اپنے ہی خاندان کے کسی بزرگ سے مل رہا ہوں۔ مولانا کے علم و فضل اور خدمت و کمال کی وجہ سے میں انھیں اپنا بزرگ سمجھتا تھا، مگر یہ ان کا خلوص اور انکسار تھا کہ وہ مجھ سے اپنے قریبی دوستوں جیسا سلوک اور برتاؤ فرماتے تھے۔

مولانا ایک نام ور عالم دین تھے۔ اپنی پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود ہر دم متحرک اور ہمہ وقت مستعد رہتے تھے، بلکہ خود فعال ہونے کے ساتھ ساتھ رفقائے کار کو بھی متحرک رکھتے تھے۔ ان کی پوری زندگی حرکت و عمل سے عبارت تھی۔ ان کی شخصیت جذبۂ خدمت سے سرشار تھی۔ انھوں نے دین و ملت کی بقا و تحفظ اور ملک کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ جب تک صحت نے ساتھ دیا ٹوٹ کر اور ڈوب کر خدمت کی۔ امارت شرعیہ کی ذمہ داریوں کے ساتھ مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے ان کی گراں قدر دینی و ملی خدمات سے ایک دنیا واقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں گونا گوں خوبیوں سے مالا مال کیا تھا۔ دین و ملت کی خدمت کے معاملے میں انتہائی فعال تھے۔ بورڈ سے منسلک ہر شخص آپ کی حرکیاتی زندگی سے اچھی طرح واقف ہے۔ ذمہ داران و ارکان کی خبر رکھنا، انھیں خطوط بھجوانا، وقتاً فوقتاً ہدایات دیتے رہنا اور یاددہانی کرانا یہ خود ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر بہت سارے کام پوری توجہ اور سلیقے سے آپ کی نگرانی میں مسلسل انجام پاتے تھے۔ ان کے علاوہ بورڈ کے مختلف اجلاسوں کے لیے دور دراز کے اسفار، مختلف جلسوں میں شرکت اور ان کے ایشوز پر پُرمغز گفتگو اور خطابات، مسائل کو سمجھنا اور بروقت قوتِ فیصلہ سے کام لینا، یہ سارے کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا کرتے تھے۔ غرض ان کی ہر دم رواں دواں زندگی ہم علماء کے لیے اور خصوصاً ہماری نوجوان نسل کے لیے انتہائی سبق آموز تھی۔ ان کی متحرک شخصیت اور ان کی سرگرم عملی زندگی کو دیکھ کر میں اپنے اندر کام کرنے کی ایک نئی توانائی اور جوش و ولولہ پاتا تھا۔ مولانا کی اس خصوصیت کی اہمیت کا صحیح اندازہ شاید ہر ایک کو نہیں ہوگا۔ عمر کی اس منزل میں، جب کہ قویٰ مضمحل

ہو جاتے ہیں اور عناصر میں اعتدال باقی نہیں رہتا، اپنی زندگی کو سعی پیہم اور جہد مسلسل کا آئینہ دار بنانا ایک بڑے کارنامے اور مجاہدے سے کم نہیں ہے۔

مولانا کی عظمت کی دوسری بڑی وجہ ان کی وسیع القلبی، وسعت ظرفی، اعتدال پسندی اور رواداری ہے۔ وہ مختلف گروہوں، مسلکوں اور مزاجوں کے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنے اور سب کے ساتھ تعلقات کو نباہنے کا ایک خاص ہنر رکھتے تھے۔ اختلافِ رائے کو برداشت کرنے کا خصوصی ملکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کیا تھا۔ اتحاد ملت کے لیے ہمیشہ فکرمند رہتے اور امت کے مسائل پر مسلک ومشرب کے بندھنوں سے آزاد ہوکر غور وفکر فرماتے۔ طبیعت میں پُر شکوہ تحمل تھا۔ خود صاحب دل تھے اور دوسروں کا دل رکھنے اور دل جیتنے کا سلیقہ اور ہنر بھی خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ اپنی گونا گوں خوبیوں کی وجہ سے امت کے ہر طبقے میں محبت واحترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مولانا کی منکسر المزاجی، کسر نفسی اور تواضع وانکسار کی صفت بھی دل موہ لینے والی تھی۔ ہر ایک سے اپنائیت ومحبت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ ان میں نہ علم وفضل کا پندار تھا اور نہ عہدہ ومنصب کا غرور۔ ہمیشہ متواضع رہتے، بالکل اسی طرح جس طرح پھل دار درخت جھکا رہتا ہے۔ اتحادِ امت کے داعی اور علم بردار کے اندر وسعتِ قلبی کے ساتھ تواضع وانکسار کی صفت کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔ انھیں دیکھ کر مجھے حضرت مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کا یہ قول اکثر یاد آتا:

''آج کل لوگ ''اتفاق، اتفاق'' تو پکارتے ہیں، مگر اس کی جڑ کی انھیں فکر نہیں ہے۔ اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ اس کے بغیر اتفاق ناممکن ہے۔ آج کل اتفاق کے معنی یہ ہوگئے ہیں کہ ہر شخص دوسرے کو اپنے سے متفق اور اپنی رائے کا تابع بنانا چاہتا ہے۔ اگر وہ دوسرا بھی ایسا ہی چاہے تو اتفاق کیسے قائم ہوگا؟ کبر کے ہوتے ہوئے اتفاق کا سوال ہی نہیں''

مولانا کی تیسری بڑی خوبی ان کی انتہائی سادہ اور بے تکلفانہ زندگی ہے۔ میں نے ہر جگہ انھیں سادگی کا پیکر ہی پایا۔ مولانا کو جامعہ دارالسلام سے دلی لگاؤ تھا۔ جامعہ کے کام اور پیغام کو نہ صرف یہ کہ سراہتے تھے، بلکہ جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہتے تھے۔ تین چار سال پہلے کی بات ہے، مولانا جامعہ دارالسلام عمرآباد کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد میں بحیثیت صدر مدعو تھے اور تقریباً دو دن تک عمرآباد میں، بلکہ میرے گھر میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران میں نے خاص طور پر محسوس کیا کہ آپ کی نشست و برخواست، لباس پوشاک، رہن سہن، کھانا پینا، غرض ہر چیز میں سادگی ہی سادگی تھی۔ کسی چیز میں تکلف وتصنع کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس چیز نے مجھے بہت متاثر کیا۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مختلف مزاج ومناصب کے لوگوں سے مولانا کا سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ ان میں حکومت کے لوگ بھی ہوتے اور دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے برادران وطن بھی۔ ایک طرف تعلقات کو نباہنا اور دوسری طرف دین وملت کے مفادات کو ہمیشہ مقدم رکھنا اور ان کو ہر حال میں ترجیح دینا یہ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بڑی خوبی اور حاضر دماغی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملت کے مسائل حل کرنے کے لیے جو دوراندیشی، دانش وری اور قائدانہ صلاحیت درکار ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اس سے مالا مال فرمایا تھا۔ وہ اپنی بے مثال لیاقت اور مخلصانہ خدمت کی وجہ سے ہر حلقے میں یکساں مقبول تھے۔ خاص احترام اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

میں ایک طویل عرصے سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے منسلک ہوں۔ اس کے چھوٹے بڑے مختلف اجلاسوں میں پابندی سے شریک ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ ان اجلاسوں میں مولانا کو مزید قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ ان کی اعلیٰ انتظامی لیاقت وصلاحیت کے علاوہ زمانہ شناسی، معاملہ فہمی، دوراندیشی، اعلیٰ ظرفی، خوش تدبیری، ملک وملت کے مسائل سے دل چسپی... یہ اور اس طرح کی بہت سی خصوصیتیں میں نے آپ کے اندر دیکھی ہیں۔

غرض! مولانا سید نظام الدین صاحب کی شخصیت ملک وملت کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں تھی۔ آپ کی عظمت کردار اور وقیع خدمات کا اعتراف آپ کے حینِ حیات ہی کیا گیا۔ ایک نوجوان قلم کار عزیزم عارف اقبال نے مختلف اہل علم وقلم سے مضامین حاصل کر کے ''باتیں میر کارواں کی'' کے عنوان سے مرتب کیا اور آنے والوں کے لیے مولانا کی زندگی کے نقوش کو محفوظ کردیا۔

میں کھلے دل سے حضرت مولانا کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی عظیم خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ مولانا کی مخلصانہ خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اور ان کی کمی عرصے تک محسوس کی جائے گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی جملہ کاوشوں کو قبول فرمائے، ان کی بال بال مغفرت فرما کر کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے اور ملت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ۞۞

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ

......ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ)

میری عمر کم و بیش آٹھ سال کی رہی ہوگی، اس وقت میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا زین العابدین صاحبؒ سے فارسی کی کتابیں پڑھ رہا تھا، دینی مدارس میں عام طور پر فارسی کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اگرچہ میں ان کی تعلیم سے فارغ ہو چکا تھا؛ لیکن والد صاحب کو فارسی کا خصوصی ذوق بھی تھا اور ان کی رائے تھی کہ اچھی اُردو لکھنے اور بولنے کے لئے فارسی زبان سے بہتر طور پر واقف ہونا ضروری ہے؛ اس لئے وہ مجھے مزید فارسی کتابیں پڑھانا چاہتے تھے، اس کے برخلاف عم محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ فارسی کی تعلیم میں مزید وقت لگانے کو عبث خیال کرتے تھے اور ان کی رائے تھی کہ اب مجھے عربی زبان شروع کرادی جائے ، اسی درمیان غریب خانہ پر ایک بزرگ شخصیت کا ورود ہوا، کھلا ہوا رنگ، سفید اور گھٹنے سے نیچے کرتا، کھلے پائچوں کا ٹخنے سے اوپر تک پائجامہ، سر پر سفید دوپلی ٹوپی، سرتا پا سفید، جسم لحیم و شحیم، قد کسی قدر پست، بالوں میں بوڑھاپے کی سفیدی؛ لیکن چلنے پھرنے اُٹھنے بیٹھنے میں جوانوں کی سی تیزی، خوش مزاج و خوش گفتار، صحت مند اور چاق و چوبند، سراپا ایسا کہ ملاقات کا دل چاہے اور آنکھوں میں شخصیت کا تقدس نقش ہو جائے۔

قاضی صاحبؒ نے معمول سے بڑھ کر ان نو وارد مہمان کا اکرام فرمایا، بستی کے معززین سے ملاقاتیں کرائیں اور عام دوستوں سے بڑھ کر ان سے بے تکلف رہے، وہ ان کو ''ناظم صاحب'' کہتے تھے؛ چنانچہ قاضی صاحب نے اپنے برادر بزرگ یعنی میرے والد صاحب سے عرض کیا کہ ناظم صاحب خالد کا امتحان لیں گے، اگر ان کی رائے ہوئی کہ اب انھیں عربی شروع کرادینی چاہئے تو پھر ان کو عربی شروع کرادی جائے ، والد صاحب نے قبول کرلیا؛ چنانچہ ان ہی بزرگ نے شیخ سعدی کی گلستاں اور بوستاں کا امتحان لیا، جو بھی سوال کیا گیا، اس حقیر نے جواب دیا؛ البتہ جب بوستان کا ایک شعر پوچھا گیا تو میں نے جواب تو صحیح دیا؛ لیکن اس کو واضح طور پر بیان نہیں کر پایا، بزرگ مہمان نے کہا: اس کا مطلب یہ نہیں ہے، یوں ہے، میری زبان سے نکل گیا: آپ نے سمجھا نہیں، میں نے بھی یہی کہا تھا، صاف محسوس ہوا کہ والد صاحب کو میرا یہ جملہ ناگوار گزر رہا ہے، والد صاحب نے بعد میں مجھے تنبیہ کی کہ اگر کوئی بڑا نہ سمجھ پائے تو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ آپ نے سمجھا نہیں؛ بلکہ کہنا چاہئے کہ میں آپ کو سمجھا نہیں پایا، والد صاحب کی یہ نصیحت ذہن پر کچھ اس طرح نقش ہوئی کہ زمانۂ تدریس میں بھی طلبہ سے یہی دریافت کرتا تھا کہ میں آپ کو سمجھا پایا نہیں؟ بہر حال مہمان نے رائے دی کہ اب ان کو عربی زبان شروع کرادینی چاہئے، فارسی جتنی کچھ پڑھ چکے ہیں، وہ کافی ہے، والد صاحب نے قریب ہی واقع جنکپور روڈ نامی قصبہ (اور اب شہر) ایک شخص کو بھیجا اور میزان الصرف کا نسخہ منگایا، پھر اسی دن ان ہی بزرگ نے اس کتاب کی بسم اللہ کرائی ، یہ بزرگ تھے مخدومی حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب نور اللہ مرقدہ۔

پھر جب جامعہ رحمانی میں زیر تعلیم تھا تو میرے محسن و مربی امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کے یہاں گاہے گاہے ان کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی اور اکثر وہ اور قاضی صاحب ساتھ ساتھ ہی تشریف لاتے تھے، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ اپنی بہت سی دوسری خوبیوں کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی اور قدر افزائی کی بھی بہترین مثال تھے، وہ خاص طور پر ان دونوں حضرات کے ساتھ بڑی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، یہ حضرات ان ہی کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہتے ، دیر دیر تک نشستیں ہوتیں اور مشورے ہوا کرتے؛ لیکن اس زمانے میں بھی قریب سے دیکھنے کا موقع میسر نہیں آیا۔

جامعہ رحمانی اوراس کے بعد دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے بعد مولانا رحمانیؒ نے مجھے تحقیق ومطالعہ کے لئے خصوصی وظیفہ پر پہلے ایک سال کے لئے امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بھیجا اور پھر مزید ایک سال کی تجدید فرمائی، نیز پڑھنے لکھنے کے کچھ کام بھی سپرد کئے، اس درمیان یوں تو میں دارالقضاء میں کام کرتا تھا اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ دفتر نظامت میں تشریف رکھا کرتے تھے؛ لیکن ان کے اور قاضی صاحبؒ کے درمیان اتنی قربت اور فکری ہم آہنگی تھی کہ دونوں شعبوں کے لئے دونوں بزرگوں کو یکساں طور پر ذمہ دار خیال کیا جاتا تھا، قاضی صاحبؒ کے اسفار کثرت سے ہوتے تھے اور حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ زیادہ تر دفتر میں موجود رہتے تھے، ان کی حاضر باشی اور قاضی صاحبؒ کے اسفار دونوں امارت کے کاز کے لئے بے حد مفید ہوتے تھے۔

اس دوسالہ مدت میں آپ کو قریب سے دیکھنے کا اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا، فجر کے وقت دفتر میں آنا، کارکنوں کو نماز کے لئے بیدار کرنا اور مسجد کے قریب نہ ہونے کی وجہ سے دفتر ہی میں نماز فجر ادا کرنا روز کا معمول تھا، ادارہ کے اکابر واصاغر میں سب سے زیادہ جماعت کے پابند آپ ہی تھے، نماز سے فارغ ہوتے ہی وہیں اپنی تپائی کے سامنے بیٹھ جاتے، جو قدیم دفتر (موجودہ قاضی نورالحسنؒ میموریل اسکول) کے وسیع وعریض ہال میں دیوار کی طرف وسط میں تھا اور دائیں بائیں دورویہ معاون ناظم، انچارج بیت المال، ایڈیٹر نقیب اور مختلف محررین کی تپائیاں تھیں، اکثر دنوں فجر سے لے کر نماز عشاء تک اسی جگہ آپ کا قیام رہتا، صرف دوپہر میں کھانے کا اور نماز کا وقفہ ہوتا اور عصر بعد چائے نوشی کا، جب ہجوم کار ہوتا تو عصر بعد بھی یہیں بیٹھے رہتے اور متنوع کام کرتے، انتظامی ہدایات دیتے، اچھی خاصی تعداد میں خطوط آتے، انھیں پڑھتے اور ان کا جواب لکھتے، مبلغین اور سفراء سے مختلف علاقوں کے حالات سنتے، کارکنوں کی درخواست پر بروقت کارروائی کرتے، آنے والوں سے اور بیرونی مہمانوں سے حسب مراتب اور حسب ضرورت گفتگو فرماتے، ان واردین میں سرکاری نمائندوں اور معروف علماء سے لے کر پڑوس کے غریب اور ضرورت مند فقراء تک سب ہوتے، بنفس نفیس ٹیلی فون اُٹھاتے اور ہر فون کرنے والے کو مطمئن کرتے، اخبارات کے لئے بیان لکھواتے، قاضی صاحب کی عدم موجودگی میں دارالقضاء کے کام کی بھی نگرانی کرتے، غرض کہ نوع بنوع کام اور ہر کام کی بروقت تکمیل، اس عرصہ میں آپ کو جاننے اور سمجھنے کا بہتر موقع حاصل ہوا اور آپ کی صلاحیت کے مختلف پہلو اور خدمت کے مختلف میدان سامنے آئے، علم وادب اور شعر وسخن کا ذوق بھی، تقریر وخطابت کی صلاحیت بھی، فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات پر عمل کا اہتمام بھی، بڑوں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا جذبہ اور دوستوں کے معاملے میں اپنی رائے کا ایثار بھی۔

ان کی چند خصوصیات ایسی ہیں، جن میں کم لوگوں کو ان کا ہم سر پایا، ان میں ایک خصوصیت جہدِ مسلسل اور سعی پیہم ہے، امارت کے دفتر میں غالباً حاجی محمد شفیع صاحب مرحوم کے بعد وہ سب سے معمر تھے، یا دو تین سن رسیدہ حضرات میں سے ایک تھے؛ لیکن صبح سے رات تک انتھک کام کرتے تھے، کام، کام اور کام، یہی ان کے شب وروز کا مشغلہ تھا، ایسا لگتا تھا کہ تھکان اور آرام کے الفاظ ان کی ڈکشنری میں نہیں ہیں، ایسا بھی ہوا کہ کسی پروگرام کے لئے وعدہ کرلیا؛ لیکن طبیعت اچانک بگڑ گئی، مگر کام کا جو منصوبہ ذہن میں ہوتا تھا، اس کے تحت مجال نہ تھی کہ پروگرام کو چھوڑ دیا جائے۔

ان کی دوسری خصوصیت اپنے مقصد سے عشق اور اپنے مشن سے والہانہ لگاؤ تھا، امارت کی فکر ان کے وجود میں اس طرح جذب ہوچکی تھی کہ جیسے پھولوں میں اس کی خوشبو رچی بسی ہوتی ہے، ان کی تقریر وتحریر، لوگوں سے ملاقات، پروگراموں میں شرکت، مشورے، اسفار اور تنظیم کے نمائندہ کی حیثیت سے کسی مشترکہ پلیٹ فارم میں شمولیت، سب کے پیچھے ایک ہی فکر ہوتی تھی کہ مسلمانوں میں کیوں کر اجتماعیت قائم ہو اور تحریک امارت کو تقویت پہنچے؟ --- اسی کے لئے ان کی ساری صلاحیتیں قوم وملت پر نچھاور ہوتی تھیں اور جب وہ اس کی دعوت دیتے تھے تو ان کے بول میں صرف الفاظ ہی نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ درد دل بھی شامل ہوتا تھا۔

آپ کا تیسرا نمایاں وصف تحمل و بردباری تھا، اپنے ضعف اور بوڑھاپے کی وجہ سے کبھی کبھی لب ولہجہ میں درشتی بھی پیدا ہوجاتی تھی؛ لیکن پہلے ان کی بردباری اس درجہ کی تھی کہ جیسے غصہ آتا ہی نہ ہو، ایک عام سے

عام کارکن بھی ان کے سامنے نہ صرف اپنی بات رکھ سکتا تھا؛ بلکہ ان سے اپنا احتجاج بھی درج کرا سکتا تھا، مگر کیا مجال کہ پیشانی پر شکن آجائے، یا زبان پر کوئی کڑوی کسیلی بات آجائے، جتنے طویل عرصہ تک وہ بحسن وخوبی امارت کے انتظامی اُمور کو انجام دیتے رہے، وہ اس کے بغیر ممکن نہیں تھا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی انتشار سے بچائے رکھنے میں ان کے تحمل کا بڑا حصہ ہے، اعتراضات کے کیسے ہی تیر برسائے جائیں، صبر اور خاموشی سے اس کا جواب دیتے رہتے اور یہی خاموشی ہزار سوالوں کا جواب ہوتی!

آپ کا چوتھا وصف 'اصابت رائے' تھا، بات کتنی ہی گرم ہو اور موقع کیسا ہی جذباتی گفتگو کا ہو؛ لیکن آپ کا مزاج ہمیشہ ٹھنڈے دل ودماغ سے سوچنے، جذبات سے عاری ہو کر مسائل پر غور کرنے اور اشتعال سے بچتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کرنے کا تھا، اس وصف کو میں نے گذشتہ تیس، پینتیس سالوں سے دیکھا اور پرکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ انھیں امیر شریعت رابع اور امیر شریعت خامس کا اعتماد حاصل رہا، وہ بورڈ کے دوسرے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے معتمد خاص رہے اور موجودہ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ان پر بے حد اعتماد تھا، نیز دار العلوم دیوبند ہو، یا ندوۃ العلماء یا کوئی اور ملی ادارہ وتنظیم، جس میں ان کی شرکت ہو، ہر جگہ ان کی رائے قدر ووقعت سے سنی جاتی۔

وہ ۳۱/ مارچ ۱۹۲۷ء، مطابق ۱۳۴۵ھ کو ہندوستان کے مشہور شہر گیا میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان علمی خاندان تھا، جس کے مورث اعلیٰ قاضی محمد یوسف صاحب کو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں اس علاقہ میں بسایا گیا اور قاضی ومفتی کی ذمہ داری سپرد کی گئی، اس علاقہ میں مغلیہ دور کے آخری قاضی، قاضی صادق علی تھے، جو بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں اُمور قضا انجام دیتے تھے، وہ بڑے عالم تھے اور سید احمد شہید کی تحریک میں شامل تھے، قاضی صادق علی کے صاحبزادے قاضی شرف الدینؒ اور پوتے قاضی حسین ؒہوئے، یہی قاضی حسینؒ آپ کے والد ماجد تھے، جنھیں علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ سے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں بھی ایک سال تعلیم حاصل کی، پھر دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ سے استفادہ کیا اور ۱۹۴۶ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے، پھر عربی ادب میں تخصص کیا، زمانہ طالب علمی میں آپ کو حضرت تھانویؒ سے ملاقات کرنے اور دُعا لینے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔

درسیات کی تکمیل کے بعد آپ نے ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۲ء تک مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی میں شیخ التفسیر حضرت مولانا ریاض الدین صاحب کے زیر سرپرستی تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دو سال مدرسہ تجوید العلوم چترا میں صدر مدرس کے فرائض انجام دیئے اور ۱۹۶۵ء میں بحیثیت "ناظم امارت شرعیہ" امارت سے وابستگی ہوئی، پھر امیر شریعت رابع کی وفات کے بعد مئی ۱۹۹۱ء میں امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحبؒ نے آپ کو نائب امیر شریعت نامزد کیا، امیر شریعت خامس کی وفات کے بعد نومبر ۱۹۹۸ء میں آپ چھٹے امیر شریعت منتخب ہوئے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے قافلہ میں آپ اول دن سے شریک تھے، ۲۸/ دسمبر ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں جو تاریخی مسلم پرسنل لا کنونشن منعقد ہوا، اس میں بھی آپ موجود تھے، پھر حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ کی وفات کے بعد بورڈ کے دوسرے صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مئی ۱۹۹۱ء میں آپ کو بورڈ کا جنرل سکریٹری نامزد کیا، تا وفات آپ امارت شرعیہ اور بورڈ سے متعلق ان گراں بار ذمہ داریوں کو انجام دیتے رہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آپ کے زیر قیادت امارت شرعیہ کی تعلیمی خدمات کو بے حد فروغ حاصل ہوا، اپنی اخیر زندگی میں آپ نے ملک کے مختلف شہروں میں امارت کے زیر اہتمام کانفرنسوں کا جو اہتمام کیا، اس کی وجہ سے بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ سے باہر بھی امارت شرعیہ کا کافی تعارف ہوا، اسی طرح آپ کے عہد میں بورڈ کے کاموں کو کافی وسعت حاصل ہوئی اور بورڈ ایسے نازک حالات سے گذرا، جو اس سے پہلے پیش نہیں آئے تھے؛ لیکن آپ کی مدبرانہ قیادت اور شورائی مزاج کی وجہ سے یہ سارے مرحلے عافیت کے ساتھ طے ہوئے اور آپ نے بورڈ کو بہر قیمت اختلاف وانتشار سے بچائے رکھا۔

ان اداروں کے علاوہ بھی اپنی اصابت رائے، کسرِ نفسی اور معاملہ فہمی کی خصوصی صلاحیت کی وجہ سے آپ دسیوں دینی جامعات اور اداروں کے رکن یا سرپرست رہے، آپ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست رہے اور ہر جگہ آپ کی رائے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔

ان کی انتظامی صلاحیت اور تحریکی سعی و کاوش نے ان کے علمی مقام کو پس منظر میں ڈال دیا ہے؛ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا ذہن رسا تھا، نظر عمیق تھی، مطالعہ کا ذوق تھا، کم لکھتے؛ لیکن جو کچھ لکھتے، ایک ایک لفظ تول کر لکھتے اور جب طبیعت میں نشاط ہوتا تو خطاب بھی بڑا عمدہ اور معنویت سے بھر پور ہوتا؛ حالاں کہ تقریر و خطاب میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کو امتیاز حاصل تھا؛ لیکن بعض دفعہ اپنے مدبرانہ پیغام اور معتدل گفتگو کی وجہ سے آپ کی تقریر ان سے بھی زیادہ جچی تلی محسوس ہوتی تھی۔

قلم بھی سبک، سادہ اور سلیس تھا، خاص کر ان کے خطوط کی زبان بڑی خوبصورت ہوتی تھی؛ البتہ خط کسی قدر شکستہ ہوتا تھا، نئے لوگوں کے لئے اس کا پڑھنا دشوار ہوتا تھا، شعر و ادب اور مزاح کا بھی خداداد ذوق تھا، شعر فہمی اور شعر گوئی دونوں کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور بعض اوقات اپنے خطاب اور گفتگو میں کسی شعر کا اس طرح استعمال کرتے کہ گویا شاعر نے خاص اسی موقع کے لئے یہ شعر کہا ہے، جو لوگ آپ سے قریب رہے ہیں، انھیں آپ کی ظریفانہ حس کا خوب اندازہ ہے، جس میں مزاح بھی ہوتا ہے اور شائستگی بھی۔

فرحت تخلص رکھتے تھے، ان کی چند نظمیں، غزلیں اور کچھ قطعات جناب محمد عارف اقبال نے 'باتیں میر کارواں کی' میں نقل کئے ہیں، جس سے ان کے اعلیٰ ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ اس صنف میں طبع آزمائی کرتے تو شاید شعر و سخن کی دنیا میں ماہِ کامل بن کر درخشاں ہوتے؛ لیکن شاعری سے گیسوئے اُمت کو سنوارا نہیں جا سکتا تھا، اس لئے انھوں نے اپنی شبانہ روز جدوجہد کے ذریعہ اُمت کے مسائل کو حل کیا اور اپنی پوری زندگی اس مقصد کے لئے نچوڑ کر رکھ دی، شعر و سخن کے ذوق کے سلسلہ میں ایک واقعہ جو خود آپ سے سننے کا موقع ملا، وہ یہ ہے کہ ایک سفر میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے ایک مصرعہ پڑھا :

قبر میں اُٹھ کے یوں حشر میں جانے کے لئے

اور آپ کے ذوق کو پرکھنے کے لئے فرمایا کہ یہ دوسرا مصرعہ ہے، آپ اس کا پہلا مصرعہ لگا دیں، آپ نے برجستہ کہا :

رکھ دو ایک ساغر مئے ہوش میں آنے کے لئے
قبر میں اُٹھ کے یوں حشر میں جانے کے لئے

وہ اپنی بہت سی خوبیوں کی وجہ سے اپنے بڑوں کے بھی محبوب تھے اور چھوٹوں کے بھی، اس حقیر کا بھی ہمیشہ آپ سے محبت و احترام کا تعلق رہا اور آپ بھی بڑی شفقت فرماتے اور حوصلہ بڑھاتے، خود بھی بڑے حوصلہ مند اور پیر جواں مرد تھے، ان کی زندگی میں بورڈ کا آخری اجلاس جے پور میں ہوا، عموماً اجلاس سے پہلے اجلاس کی تیاری کے لئے بورڈ کے ذمہ داران و کارکنان مقامِ اجلاس کا دورہ کرتے ہیں؛ چنانچہ انھوں نے اس اجلاس کے لئے تمام سکریٹریز سے خواہش کی کہ وہاں کا سفر کریں؛ لیکن اتفاق ہے کہ سب کو کچھ نہ کچھ عذر در پیش تھا، جس میں یہ حقیر بھی شامل تھا، اس وقت وہ خود سفر کے لائق نہیں تھے؛ لیکن پھر بھی عازم سفر ہوئے، اور بیماری و پیرانہ سالی کے باوجود جے پور میں کئی دنوں قیام کیا، مختلف جلسوں سے خطاب فرمایا، مجلس استقبالیہ کی تشکیل کی اور ایسا ماحول بنایا کہ یہ اجلاس اپنے نظم و ضبط اور سہولتوں کے حساب سے ایک مثالی اجلاس ثابت ہوا۔

جب بھی میرا بہار کا سفر ہوتا ممکن نہ تھا کہ آپ کی ملاقات کے بغیر وہ مکمل ہو جائے؛ چنانچہ آخری ملاقات ۹ رشوال ۱۴۳۶ھ، مطابق ۲۶ رجولائی ۲۰۱۵ء کو آپ کے دولت خانہ پر پھلواری شریف میں ہوئی، حسبِ معمول محبت و شفقت کے ساتھ پیش آئے؛ لیکن اس بار محسوس ہوا کہ صحت میں بہت زیادہ گراوٹ ہے اور خاص بات یہ ہے کہ ذہول کی کیفیت اور نسیان کا غلبہ ہے، پھر معلوم ہوا کہ دن بدن صحت گرتی ہی گئی اور بالآخر ملت کی فکر سے بے خواب اس مسافر کو ابدی نیند آ ہی گئی اور ۳ رمحرم الحرام ۱۴۳۷ھ، مطابق ۱۷ ر اکتوبر ۲۰۱۵ء کو مسافر شوق اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں ہو گیا۔

اللّٰھم ارحمہ واغفرہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیئاتہ .

❁❁❁

یونیفارم سول کوڈ۔عدالتیں بھی حقیقت سے اندھی

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری)

وہ لوگ جو ہندوستان جیسے بڑے ملک میں یونیفارم سول کوڈ کی بات کرتے ہیں وہ اس ملک کے بڑے رقبہ، اس ملک کی آبادی سے جو دنیا میں دوسری سب سے بڑی آبادی ہے ملک میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک مختلف زبانیں بولنے والے، مختلف رسوم و رواجات رکھنے والے، مختلف عقیدوں اور مذہب پر چلنے والے، سماجوں کی بہورنگی سے بے خبر ہیں۔ سول کوڈ یکسانیت کے لئے مثال دی جاتی ہے یورپ کے ملکوں، انگلینڈ، فرانس، جرمنی وغیرہ کی۔ یہ ملک اتنے چھوٹے ہیں کہ ان تمام ملکوں کو یورپ سے کاٹ کر ہندوستان میں چسپاں کر دیا جائے تو سب آجائیں گے۔ پھر بھی جگہ بچی رہے گی۔ ان ملکوں میں عموماً ایک ہی نسل اور کلچر کے لوگ آباد ہیں۔ ہندوستان جیسے کسی بڑے ملک کی مثال دیجائے اور بتایا جائے کہ وہاں سارے باشندوں کے لئے ایک ہی پرسنل لا نافذ ہے یو۔ایس۔ اے (امریکہ) میں ہر اسٹیٹ کے قوانین الگ ہیں نیویارک میں طلاق یا شوہر بیوی میں علیحدگی کی مشکل ہے ایسے جوڑے کیلی فورنیا یا کسی اور اسٹیٹ میں منتقل ہوجاتے ہیں اور وہاں بآسانی ان کے درمیان تفریق ہوجاتی ہے۔ کینیڈا میں یہودیوں اور مسلمانوں کے لئے سرکاری طور پر علیحدہ عدالتیں قائم کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ جو یہودیوں کے پرسنل لا کے مطابق یہودیوں کے اور مسلمانوں کے پرسنل لا کے مطابق مسلمانوں کے خاندانی جھگڑوں کو طے کرے چین اور روس میں مختلف تہذیب رکھنے والوں کو داخلی خودمختاری حاصل ہے۔ ہندوستان جیسے ممالک میں پرسنل لا کے معاملہ میں یکسانیت پیدا کرنے کا مطالبہ کرنے والے دراصل ہندوستان کے ایک بڑے اور عظیم ملک ہونے سے بے خبر ہیں۔

کیا ہندو قانون میں یکسانیت ہے؟

آزادی کے بعد ۱۹۵۰ء کے دہے میں ہندوؤں کے لئے قوانین، ہندو میرج ایکٹ، ہندو مینٹننس ایکٹ وغیرہ بنائے گئے اور کہا گیا کہ ملک کے تمام ہندوؤں کو ایک قانون کا پابند بنایا گیا ہے یہ دعویٰ بالکل غلط اور جھوٹا ہے۔ ان قوانین میں ذات، علاقہ اور گروہوں کے رواج کو فوقیت دی گئی۔ شادی وہی تسلیم کی جائے گی جو مروجہ رسم کے مطابق انجام دی جائے۔ آگ کے اطراف پھیرے لینا بھی ضروری نہیں ہے جس ذات یا علاقہ میں یہ رواج ہے وہ مثال لئے جاسکتے ہیں۔

آندھرا، کرناٹک اور تامل ناڈو میں ایک شخص اپنی سگی بہن کی لڑکی بھانجی سے شادی کرسکتا ہے اور یہ سب سے اچھی شادی سمجھی جاتی ہے بڑی بہن، اپنے چھوٹے بھائی کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اس کی بیٹی سے شادی کرے۔ دوسرے علاقوں کے ہندو اس شادی کو پاپ، گناہ سمجھتے ہیں۔ بنگال کے ہندو عموماً دیا بھاگا پر چلتے ہیں۔ وراثت کے معاملہ میں قانون خود ہندوؤں کی شرع متاکشرا اور دیا بھاگا سے دو طریقہ سامنے رکھتا ہے ہندو جس طریقہ پر چاہیں وراثت کی تقسیم کرلیں۔ کہاں رہی یکسانیت؟

ناگاؤں اور میزوؤں کو نہ چھیڑو:

ناگاؤں نے ہندوستان کے خلاف ہتھیار اٹھائے تھے اور وہ ہندوستان سے اپنے علاقہ کو الگ کرلینا چاہتے تھے ہندوستانی فوج کے ساتھ برسوں جنگ چلتی رہی مگر گوریلہ طریقہ پر ناگاؤں نے ہندوستانی فوج کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ بالآخر ہندوستانی حکومت نے ان کو گفتگو کی میز پر بلایا اور ان کے مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرنے کا وعدہ کیا۔ ناگا بہت مشکل

سے تیار ہوئے اور اس شرط پر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہوئے کہ دستور میں ان کے رسوم و رواج اور شادی بیاہ کے قوانین کو تحفظ فراہم کیا جائے اور یہ لکھ دیا جائے کہ ہندوستانی پارلیمنٹ کا کوئی قانون ان کے علیحدہ رسوم و رواج میں مداخلت نہیں کرے گا، حکومت ہند نے اس مطالبہ کو قبول کرلیا، دستور میں ترمیم کی گئی، جس کے بعد ناگاؤں نے ہتھیار ڈالا ہے اور انڈین یونین میں شامل ہوگئے۔

۱۹۶۲ء میں دستور میں ایک نئے آرٹیکل 371A کا اضافہ کیا گیا اور ناگاؤں کو ضمانت دی گئی کہ پارلیمنٹ کے کسی قانون کا اطلاق ناگاؤں کے مذہبی اور سماجی رواجوں اور رواجی قانون اور ضوابط پر نہ ہوگا جب تک کہ ناگالینڈ کی اسمبلی ان کو قبول کرنے کا فیصلہ نہ کرے۔

ناگاؤں کی طرح میزوؤں نے بھی ہتھیار اٹھالئے تھے اور ہندوستان کے خلاف ان کی مسلح جدوجہد جاری تھی جس کو دبانے میں ناکامی کے بعد ان کو بھی گفتگو کی میز پر لایا گیا۔ اور دستور میں ترمیم کرکے انھیں بھی ان کے کلچر رسوم و رواج کے تحفظ کی ضمانت دی گئی جس پر میزوؤں نے ہتھیار ڈالا ہے اور انڈین یونین میں شامل ہوگئے۔

میزوؤں کو ضمانت دینے کے لئے ۱۹۸۶ء میں دستور میں ترمیم کرکے آرٹیکل 371G کا اضافہ کیا گیا مزید برآں دستور کی جدول ۶ sixth schedule میں بھی ویسی ضمانت دہرائی گئی ہے۔

حکومت ہند نے محسوس کیا کہ ملک کے شمال مشرقی علاقہ کے وہ عوام جو نسلی اعتبار سے کلچر کے لحاظ سے، رسوم و رواجات کے تعلق سے ہندوستان کے دوسرے باشندوں سے الگ ہیں اگر ان کو ان کی علیحدہ تہذیب و تمدن، رسوم و رواج کے تحفظ کی ضمانت فراہم نہیں کی گئی تو یہ کسی وقت بھی ملک کے خلاف ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوسکتے ہیں اس لئے میگھالیہ کے قبائل کو ان کا مطالبہ مسلح جدجہد کی شکل اختیار کرنے سے پہلے دستور میں تحفظ فراہم کردیا گیا۔

دستور کی چھٹویں جدول میں میگھالیہ، اروناچل پردیش، منی پور، تریپورہ وغیرہ کو ان کی رسم و رواجات کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی۔

دستور آرٹیکل ۴۴ سارے ملک میں سارے عوام کے یونیفارم سول کوڈ کی بات کہتا ہے۔ اس کے لئے دستور کی ان دفعات کو جو ناگاؤں میزوؤں اور میگھالیہ کے قبائل سے متعلق ہے حذف کرنا پڑے گا۔ سوچئے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یونیفارم سول کوڈ کی بات کہنے والے خود کو ملک کے بہی خواہ ملک کے فرقہ وارانہ امن کا داعی بنا کر پیش کرتے ہیں کیا یہ ملک کی خیر خواہی ہے کہ سرحدی علاقہ کے عوام کو ہتھیار اٹھانے پر آمادہ کیا جائے۔ نہیں قطعاً نہیں یہ ملک دشمنی ہے۔

ملک میں دائمی امن کی راہ:

یکساں سول کوڈ نافذ ہونے سے ملک میں انتشار پیدا ہوگا۔ ہندوؤں میں بھی ناراضگی پیدا ہوگی جن کے رواجی قانون کو ختم کردیا جائے اور ہوسکتا ہے کہ یہ ہندوؤں میں باہمی تشدد و تصادم کی شکل اختیار کرلے۔ شمال مشرق کے قبائل کا کیا ردعمل ہوگا میں اوپر بیان کرچکا ہوں، عیسائیوں میں غیر کیتھولکس قبول کرلیں اس کا امکان ہے مگر کیتھولکس قطعاً قبول نہیں کریں گے کیونکہ وہ کیانن لا CANION کے سختی سے پابند ہیں اور ان قوانین کو مذہبی تقدس حاصل ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ کسی قیمت پر یونیفارم سول کوڈ کو قبول نہیں کریں گے اس کے خلاف احتجاج کریں گے اور اگر اصرار بڑھ گیا تو مسلم قائدین مسلمانوں سے کہیں گے کہ نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کا کوئی مقدمہ مسلمان عدالت میں نہ لے جائے اور فیصلہ شرعی عدالت دارالقضا سے کروائے اور اس کے فیصلہ کو قبول کریں۔

بتلائیے کہاں پیدا ہورہی قومی یکجہتی؟ قومی یکجہتی اس وقت جتنی اور جیسی ہے وہ بھی ٹوٹ جائے گی اگر یونیفارم سول کوڈ نافذ کیا جائے۔

مسلم پرسنل لا پر اعتراضات:

بات جب یونیفارم سول کوڈ کی چلتی ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے پرسنل لا پر ضرب پڑے گی عام طور پر یہی خیال ہے یونیفارم

سول کوڈ سے مسلم خواتین کے مسائل حل ہوں گے اور ان کو راحت ملے گی۔

مسلمانوں کے جن مسائل کو نشانہ بنایا جاتا ہے وہ ہیں (۱) کم سنی یعنی (۱۵) سال کی عمر میں شادی کرنے کی اجازت (۲) تین طلاق کے ذریعہ بیوی کو علیحدہ کردینا اور (۳) بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنے کی اجازت۔ ان تینوں اعتراضات کا مختصر انداز میں جائزہ لیں گے۔

(۱۵) سال پر شادی کی اجازت:

اگر سروے کیا جائے، شہروں، تعلقہ ہیڈ کوارٹرس منڈل ہیڈ کوارٹرس، بڑے اور اوسط دیہاتوں میں مسلمانوں میں پندرہ سال کی لڑکی کی شادی کا شاید ہی کوئی واقعہ ہو کیونکہ مسلمانوں میں اپنی لڑکیوں کو اسکول اور ہوسکے تو کالج کی تعلیم کا رجحان جڑ پکڑ چکا ہے تعلیم کے میدان میں مسلم لڑکیاں مسلم لڑکوں سے آگے ہیں۔ ہائی اسکول کی تعلیم مکمل ہونے تک لڑکیوں کی عمریں ۱۸ سال سے آگے ہو جاتی ہیں۔ البتہ بہت چھوٹے دور دراز کے دیہاتوں میں ہوسکتا ہے کہ پندرہ سال کی مسلم لڑکی کی شادی کا واقع ملے گا ایسے دیہات میں یا اس کے قریب لڑکیوں کا اسکول نہیں ہوگا۔ اس طرح یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔

میں دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھنا چاہوں گا راجستھان کے پاکستان سے لگے اضلاع جیسلمیر اور باڑمیر میں ہندو چار پانچ سال عمر کی لڑکی کی شادی کردیتے ہیں میں خود ان علاقوں میں گیا ہوں اور عینی شاہد ہوں مجھے معلوم ہوا کہ بستر کے علاقہ میں جھارکھنڈ کے دیہاتوں میں اور کئی قبائیلیوں میں ایسا ہوتا ہے مگر کسی کی انگلی نہیں اٹھتی۔

اب رہی (۱۵) سال کی عمر کی بات، اصول یہ ہے کہ بالغ ہونے پر لڑکی، شادی کے قابل ہو جاتی ہے اور اتفاق اس پر ہے کہ بالغ ہونے کی عمر (۱۵) سال ہے۔ ۱۹۲۹ء میں کم سنی کی شادی کی روک تھام کا پہلی بار قانون بنا اور اس میں عورت کے جسمانی مسائل، دل و دماغ کی کیفیت کا جائزہ لینے کے بعد قانون یہ بنایا گیا کہ لڑکی کی شادی (۱۵) سال کی عمر ہونے پر کی جاسکتی ہے اس سے پہلے کی شادی کم عمری کی شادی تصور ہوگی اور قانوناً جرم ہوگا زمانے کے آگے بڑھنے کے ساتھ جب دنیا میں بچوں کی پیدائش کو کم کرنے یعنی فیملی پلاننگ کی ہوا چلنے لگی تو عمر (۱۵) سال سے بڑھا کر (۱۸) سال کردی گئی پھر یہ قانون ختم کر کے کم سنی کی شادی کی ممانعت کا قانون بنایا گیا اور اس میں بھی شادی کے لئے اقل ترین عمر (۱۸) سال رکھی گئی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں ۱۵ر سال سے ۱۸ر سال کی عمر تک شادی کا اس وقت تناسب بہت کم ہے پھر بھی یہ کہنا کہ اسلام ۱۵ر سال کی عمر میں شادی کی اجازت دیتا ہے جب کہ اس عمر تک لڑکی کا جسم پوری طرح تیار نہیں ہوتا۔ اگر یہ بات ہے تو ۱۹۲۹ء کے قانون میں شادی کے لئے عمر تمام تحقیقات کے بعد (۱۵) سال کیوں قرار پائی۔؟

تین طلاق کا معاملہ:

ہندو کا ذہن بیوی کو چھوڑنے کی بات کو قبول نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے بیاہ کا مطلب ہوتا ہے جنم جنم کا ساتھ، پچھلے جنم میں بھی ساتھ تھے اور آئندہ جنم میں بھی ساتھ رہنے والے کس طرح علیحدہ ہوسکتے ہیں! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی! اب تو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ جب بیوی کی وجہ سے گھر جنت کے بجائے جہنم بن جائے تو بیوی کو علیحدہ کردینے کی اجازت دی جائے۔ اسلام یہ اجازت بیوی کو بھی دیتا ہے کہ وہ خلع حاصل کرسکتی ہے، یا اپنے نکاح کو فسخ کراسکتی ہے دنیا کے رجحان کو دیکھتے ہوئے ۱۹۵۰ء کے دہے میں بنے قوانین میں Divorce کی اجازت ہندوؤں کے لئے بھی رکھی گئی۔

جب ایک مسلمان کسی وجہ سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس عورت کے ساتھ زندگی گزارنا اب تقریباً ناممکن ہے تو وہ بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق تین مرتبہ کہہ کر عورت کو فوری علیحدہ کردے سکتا ہے اگر تین طلاقوں پر پابندی لگائی گئی تو وہ شخص ایک طلاق دے کر عورت سے بالکل علیحدہ رہتا ہے اور اس طرح عدت یعنی تین ماہواریاں گزر جائیں تو بیوی مکمل طور پر علیحدہ ہو جاتی ہے۔

ہم یہ تسلیم کریں گے مسلمانوں میں طلاق کا رجحان زیادہ ہے اس

کو قانون کے ذریعہ قابو میں نہیں لایا جاسکتا اس کے لئے مسلمانوں کی ذہنی اصلاح کی ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کی اجازت دی ہے ان میں سب سے زیادہ طلاق اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے الطلاق البغض المباحات بہت سوچ و بچار اور غور و خوض کے بعد دینا چاہیے۔ طلاق دینا ضروری ہو تو ایک طلاق دی جائے کیونکہ عدت کے اندر دوبارہ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے کہیں اطلاع غلط تو نہیں تھی کسی نے بھڑکایا تو نہیں تھا غیض وغضب میں اس کی سوچ صحیح تھی وغیرہ وغیرہ اگر وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس کا طلاق دینا غلط تھا تو عدت کے اندر اس عورت کو بحیثیت بیوی واپس لے سکتا ہے اگر اس کے عمل طلاق پر پورا اعتماد ہو تو عدت کے بعد وہ علیحدہ ہو جائے گی۔ اس کو ایک طلاق پر عمل کی تلقین کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ فاروق کے زمانے میں آپؓ ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے والوں کو سر عام کوڑے لگاتے تھے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ہمارے ہندو بھائی طلاق دینے کو ایسا سمجھتے ہیں کہ عورت کو بس بند گلی میں چھوڑ دیا۔ اب کرے تو کیا کرے؟ طلاق بند گلی نہیں ہے عدت گزرنے کے بعد وہ کسی اور سے نکاح کر کے اپنا نیا گھر بسا سکتی ہے اگر سروے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ طلاق یافتہ عورتوں کے نکاح کر کے نیا گھر بسانے کا خاصہ اچھا تناسب ہے۔

کثرت ازدواج کا مسئلہ:-

تعجب ہوتا ہے کہ جب ہندو اور عیسائی، مسلمانوں کو ایک سے زیادہ چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت پر اعتراض کریں شری رام کے والد راجہ دسترتھ کی چار بیویاں تھیں، کرشن جی کے کتنی گوپیاں تھیں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں اور دو تین باندیاں تھیں۔ عیسائی ان کو آبائے مذہب Patriarch قرار دیتے ہیں۔

مسلمانوں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے حکم نہیں آجکل کے حالات میں تو عام مسلمان ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کو سوچ بھی نہیں سکتا البتہ جو مالدار اور پیسے والے ہیں وہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں ان کا تناسب (۵) فی ہزار ہوگا۔ اتنے چھوٹے مسئلہ کو بحث کا موضوع بنانا عقلمندی نہیں ہے۔

ہندوؤں اور پیسے والے ہندوؤں میں بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں کو ڈال رکھنے کا رواج مسلمانوں سے زیادہ ہے اور یہ خواتین مرد کی زندگی میں اور مرد کے مرنے کے بعد کسی حق کا مطالبہ نہیں کرسکتیں کیونکہ ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں دوسری بیویاں شوہر سے حق کا مطالبہ کرسکتی ہیں اور مرنے کے بعد ترکہ میں حق پاتی ہیں۔

ایک مسلمان کی شخصی جنسی ضرورت کے علاوہ کئی حالات ایسے ہوتے ہیں جنھیں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جنگ اور خانہ جنگی میں مرد ہی مرتے ہیں اور اگر باقی مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت نہ دیجائے تو معاشرہ میں زنا کاری عام ہو جاتی ہے اور عورتوں کی بڑی تعداد زنا کو پیشہ بنالیتی ہیں یہ آج بھی یہی کیفیت ویت نام، کمبوڈیا اور جزیرہ نمائے ہند چینی کے ان علاقوں میں دیکھی جاسکتی ہے جہاں برسوں امریکہ اور کمیونسٹوں میں جنگ ہوتی رہی ہیں۔

جنگ اور خانہ جنگی کے علاوہ بھی بہت سے حالات میں مردوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے اور ایسی صورتحال میں اگر مرد کو ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی اجازت نہ ہو تو عورتیں زنا کو پیشہ بنانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جس معاشرہ میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے پر قانونی پابندی عائد کی جاتی ہے وہاں مرد و زن کے درمیان زنا کے تعلق کی اجازت دینی پڑتی ہے۔ آج یو۔ایس اے (امریکہ) انگلینڈ، یورپ کے دیگر ممالک میں یہی صورتحال ہے۔ سویڈن میں تو انتہائی بداخلاقی، بھائی، بہن، باپ بیٹی، ماں اور بیٹے کے درمیان تعلق تک جرم نہیں مانے جاتے، یہ قیمت محض ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کی غیر فطری حرکت کے لئے ادا کرنا پڑ رہا ہے۔

انسانوں کے طبائع، ان کے مزاج و میلانات میں یکسانیت نہیں ہوئی، اختلاف ہوتا ہے اور یہ اختلاف فطری ہے بعض انسانوں کی جنسی تسکین

ایک بیوی سے نہیں ہوتی۔ ایسوں کی تسکین کے لئے ضروری ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دیجائے ورنہ ایسے لوگ ناجائز طریقے اختیار کرنے پر مجبور ہوجائیں گے اور اس کے لئے قصوروار سماج ہے۔

ان اور دیگر وجوہات کے تحت اسلام نے ایک سے زائد چار تک، شادیوں کی اجازت دی ہے لیکن ہمارے ملک کی اکثریت کا مزاج ایک پر بس کرتا ہے اور مسلمانوں کی بڑی بھاری اکثریت کا مزاج یہی ہے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والے اصحاب کا تناسب بہت کم ہے سروے کر کے دیکھ لیا جاسکتا ہے۔

مسلم پرسنل لا کے ان تین مسائل پر ہی لوگ اور عدالتیں انگلی اٹھاتی ہیں میں نے انکا سرسری انداز میں جائزہ لیا ہے جس سے واضح ہوگیا ہوگا کہ (۱۵) سال شادی کے لئے عمر مقرر کرنے میں کوئی قباحت طبی، جسمانی نقاط نظر سے نہیں۔ اگر معاشرہ کو زنا سے پاک رکھنا ہو تو ایک سے زائد شادیوں کی اجازت ہونا چاہیے۔ اسلام چار کی پابندی عائد کرتا ہے اور ساتھ یہ حکم بھی دیتا ہے کہ سب کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے۔ رہی یہ ایک وقت تین طلاق کی بات تو چونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے زمانے سے ایسے واقعات ہوئے ہیں۔ اور آپؐ نے تینوں کو نافذ قرار دیا ہے تو کوئی مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زبان نہیں کھول سکتا البتہ اس تعلق سے جو رجحان ہے وہ قانون کا مسئلہ نہیں سماجی اصلاح کا معاملہ ہے اور اس جانب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور دیگر مسلم جماعتیں متوجہ ہیں۔

عدالتیں یونیفارم سول کوڈ کی بات کہتے وقت بھول جاتی ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ شمال مشرقی ہندوستان کے قبائل، ناگا، میزو و دیگر کا رد عمل کیا ہوگا؟ اور خود ہندوؤں کے وہ طبقات جو اپنے رواج سے جڑے ہیں وہ کیا کریں گے۔ یونیفارم سول کوڈ کی تدوین ایک انتہائی ناعاقبت اندیشانہ اقدام ہوگا جس کے نتیجہ میں ملک انتشار اور پھوٹ کا شکار ہوگا۔

۞۞۞

بقیہ: دین اور دستور بچاؤ تحریک کی سرگرمیاں

آج بھی ہمارا ملک سیکولر ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو دہلی میں فرقہ پرستوں کی درگت نہیں بنتی۔ عنقریب ان کی درگت بہار میں بھی بننے والی ہے۔ ان حالات میں ہمیں حکمت عملی سے کام لینا ہوگا اور خود کو تنہا محسوس نہیں کرنا ہوگا۔ پرسنل لا بورڈ احتجاج کے طریقے نہیں اپناتا ہے بلکہ یہ اجلاس کرتا ہے جہاں سے ایک پیغام پوری دنیا کو جاتا ہے۔ اس سے پہلے 2008ء میں پارک سرکس میں ہی مسلم پرسنل لا بورڈ کا ایک بڑا اجلاس ہوا تھا۔

ناخدا مسجد کے امام مولانا شفیق احمد قاسمی صاحب نے کہا کہ فرقہ پرست طاقتیں اپنا ایجنڈا ہم پر مسلط کرنا چاہتی ہیں جو سیکولر ملک کیلئے ایک بدنما داغ ہے۔ تاریخ کہتی ہے کہ جب جب اسلام پر حملہ ہوا ہے اور شریعت پر آنچ آئی ہے تو ملت کے رہنما سینہ سپر ہوجاتے ہیں۔ بورڈ کے رکن مولانا نعمت حسین حبیبی صاحب نے کہا کہ کلکتہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے بڑے اجلاس کیلئے تیار ہے۔ مولانا ابو طالب رحمانی صاحب، مولانا فخر الاسلام صاحب، شاہ محمد قادری صاحب، عبدالعزیز صاحب، پروفیسر شاہنواز شبلی صاحب، مولانا صباح اسماعیل ندوی صاحب، بورڈ کی ممبر نور جہاں شکیل صاحبہ و دیگر مقررین نے مسلمانوں میں مسلک سے اوپر اٹھ کر اتحاد و اتفاق کی باتیں کیں۔ یہ مشورہ بھی سامنے آیا کہ جلسہ میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم مقررین کو بھی زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل کیا جائے۔ بورڈ کی رکن صبوحی عزیز صاحبہ اور عظمی عالم صاحبہ وغیرہ بھی اس موقع پر موجود تھیں۔ پروگرام کے اخیر میں بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن الحاج جمیل منظر صاحب نے کلمات تشکر پیش کیا۔

۞۞۞

یکساں سول کوڈ - ایک تجزیہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (سکریٹری بورڈ)

ہندوستان میں جس وقت انگریزوں کے خلاف جدو جہد جاری تھی اور ہندوستان کے تمام شہری اس بدیشی دشمن کے خلاف سیسہ کی دیوار بنے ہوئے تھے، اس وقت فکر ونظر، تہذیب، قومی مفادات، زبان، نسل اور جغرافیائی تعلق میں تفاوت کے باوجود جو چیز ان سب کو سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بنائے ہوئی تھی، وہ یہی تصور تھا کہ آزادی کے بعد یہ ملک سیکولرزم کی راہ پر چلے گا، ہر مذہب، ہر تہذیب اور ہر جماعت سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی انفرادی زندگی میں آزادی حاصل ہوگی، مسلمان جو مذہبی اعتبار سے زیادہ باحمیت واقع ہوئے ہیں، ممکن نہ تھا کہ وہ اس تیقن کے بغیر اس لڑائی میں شریک ہوتے، آزادی سے پہلے ہمیشہ 'قومی لیڈران' مسلم پرسنل لا کے تحفظ اور اس میں عدم مداخلت کا یقین دلاتے رہے، مہاتما گاندھی جی نے خود بھی گول میز کانفرنس لندن ۱۹۳۱ء میں پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ کہا تھا: ''مسلم پرسنل لا کو کسی بھی قانون کے ذریعہ چھیڑا نہیں جائے گا'' --- جنگ آزادی کے سالار مولانا ابوالکلام آزادؒ نے فرمایا :

> نہ تو کانگریس ہی کا یہ مقصد ہے اور نہ مسلمان ہی اس مقصد سے قیامت تک متفق ہوسکتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلم کلچر، مسلم تہذیب اور مسلم خصائص ختم ہوجائیں اور وہ ہندستان کی متحدہ قومیت میں جذب ہوکر جرمن یا انگریز قوم کی طرح ہندوستانی قوم کے سوا کچھ نہ رہیں۔

۱۹۳۸ء میں ہری پور میں کانگریس نے اعلان کیا: ''اکثریت کی طرف سے مسلم پرسنل لا میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی'' پھر ۱۹۳۷ء میں ''شریعت اپلی کیشن ایکٹ'' پاس ہوا، جس نے زیادہ صراحت کے ساتھ مسلم پرسنل لا کو آئین کا حصہ بنادیا۔

پھر آزادی حاصل ہونے کے بعد جب ہندوستان کا دستور بنا، تو قانون کے سب سے اہم حصہ 'بنیادی حقوق' کی فہرست میں ایسی دفعات بھی رکھی گئیں، جن سے ''مسلم پرسنل لا'' کی حفاظت ہوتی ہے، دستور ہند کی آرٹیکل ۲۵ میں مذہبی قوانین کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے؛ چنانچہ دفعہ ۲۵ کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

> ۲۵ (ا) : پبلک آرڈر، اخلاقیات، صحت عامہ نیز باب :۳ میں دی ہوئی دیگر دفعات کے تابع ہر شہری کو مذہبی عقائد پر قائم رہنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کی اجازت ہوگی۔

دفعہ ۲۵ میں دی گئی مذہبی اُمور کی اس ضمانت سے مذہبی رسوم اور ہندوؤں میں اچھوتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کو مستثنیٰ کرنے کی غرض سے دو اور تشریحی دفعات بڑھادی گئیں، جو حسب ذیل ہیں :

> ۲۵ (۲) (الف) کسی اقتصادی، مالی، سیاسی یا دیگر سیکولر مسئلہ میں جس کا تعلق مذہبی رسم سے ہو، پابندی عائد کرنا یا اسے ریگولیٹ کرنا۔
>
> ۲۵ (۲) (ب) سوشیل ریفارم کی خاطر پبلک ہندو اداروں کے دروازے تمام ہندوؤں کے لئے کھولنے کے سلسلہ میں اقدام کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ 'مذہبی اُمور' میں حکومت بالکل دخل انداز نہ ہوگی، ہاں اس سے صرف یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کوئی چیز اصلاً مذہبی ہونے کے بجائے کسی مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان ایک رسم کے طور پر مروج ہو، مثلاً: جہیز، تلک وغیرہ، اس میں حکومت مداخلت کرکے ظلم کی روک تھام کرسکے گی، دوسرے : ''اچھوتوں'' کے سلسلے میں جو امتیازی سلوک روا

رکھا جاتا ہے، اس کا سدباب کرے گی اور وہ مذہبی حق متصور نہ ہوگا۔

پھر ان ''بنیادی حقوق'' کو ناقابلِ تنسیخ بنانے کے لئے دستور کی آرٹیکل ۱۳(۲) میں یہ بات صاف کردی گئی کہ حکومت کوئی ایسا قانون نہیں بناسکتی، جو باب :۳ میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کے خلاف ہو، یا اس میں کمی کرے---اس طرح مسلم پرسنل لا کا تحفظ (جس کا تعلق مسلمانوں کے رسوم و رواج سے نہیں ہے؛ بلکہ ان کے اعتقادات اور اسلامی تعلیمات کی بنیادوں---قرآن وحدیث---سے ہے) نہ صرف مسلمانوں کا بنیادی حق قرار پایا؛ بلکہ ناقابلِ تنسیخ ٹھہرا۔

اس بنیادی حق کے ساتھ ملک کے لئے جو 'رہنما اُصول' وضع کئے گئے، اس کی دفعہ (۴۴) یوں رکھی گئی: "(۴۴) ریاست کوشش کرے گی کہ پورے ملک میں شہریوں کے لئے یکساں شہری قانون ہو" ظاہر ہے یہ دفعہ، دفعہ (۲۵) سے متصادم ہے، دفعہ ۲۵ کا تقاضا ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کے لئے ان کے مذہب کے مطابق قوانین ہوں، جب کہ یہ دفعہ سب کے لئے یکساں قانون وضع کرنے کی متقاضی ہے اور اس کا صاف مطلب ہے کہ حکومت کبھی بھی مسلم پرسنل لا یا کسی دوسرے ''مذہبی پرسنل لا'' پر دست درازی کرسکتی ہے۔

چنانچہ اس دفعہ پر مختلف مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ جناب محمد اسماعیل صاحب، جناب بی، پوکر صاحب، جناب نظیر الدین الدین احمد صاحب اور جناب محبوب علی بیگ صاحب نے تنقید کی اور اس سے مسلم پرسنل لا کو مستثنیٰ رکھنے کا مطالبہ کیا، جناب نظیر الدین صاحب نے کہا :

انگریز ۱۷۵ برس میں جو نہ کرسکے، یا جس کے کرنے سے گھبراتے رہے، اسی طرح مسلمانوں نے ۵۰۰ سالہ دورِ حکومت میں جو کچھ کرنے کی ہمت نہیں کی، ہمیں ریاستوں کو اتنا اختیار نہ دینا چاہئے کہ وہ سب کچھ بیک وقت کر گزریں۔

مگر ڈاکٹر امبیڈکر (چیرمین دستور ساز اسمبلی) نے ایک نہ سنی؛ البتہ مسلمانوں کو تسلی دینے کے لئے کہا :

> کوئی حکومت اپنے اختیارات کو اس طرح استعمال کر کے مسلمانوں کو بغاوت پر آمادہ نہیں کرسکتی، میرے خیال میں اگر کسی نے ایسا کیا تو ایسی حکومت پاگل ہی ہوگی، مگر یہ معاملہ اختیارات کے استعمال کا ہے نہ کہ بذاتِ خود اختیارات کا۔

رہنما اُصول کی یہی دفعہ ہے جس کے بطن سے ''یکساں سول کوڈ'' کا فتنہ پھوٹا ہے اور جس کی صدائے بازگشت سننے میں آتی رہتی ہے۔

دستور کی ان دونوں دفعات میں تعارض اس لئے پیدا ہو رہا ہے کہ دفعہ (۴۴) کا تعلق مذہبی قوانین سے جوڑا جارہا ہے؛ حالاں کہ اس کا تعلق دراصل دفعہ (۲۵) کی اس استثنائی دفعہ سے تھا، جس میں کہا گیا ہے کہ مذہبی رسوم' جن کی مذہب میں کوئی اصل نہ ہو، حکومت کی مداخلت سے ماورا نہیں ہوں گے، گویا غیر مذہبی اُمور میں ریاستوں کو دفعہ ۴۴ کے ذریعہ ''یکساں قانون سازی'' کا اختیار دیا گیا تھا۔

چنانچہ ممبئی ہائی کورٹ کے بینچ نے---جو جناب عبدالکریم چھاگلا اور جناب گجندر گڈکر پر مشتمل تھا---مقدمہ بنام تاراسوا ماپالی میں دفعہ (۴۴) کے حدود پر مفصل رولنگ دی تھی، اس کا ایک اقتباس حسبِ ذیل ہے :

> مذہبی رسوم، پبلک آرڈر، اخلاقیات، صحتِ عامہ، نیز سماجی بہبود کے خلاف ہو تو ایسے رسوم کو مفادِ عامہ کے پیشِ نظر پس پشت ڈالا جاسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مفادِ عامہ (جس میں یکساں سول کوڈ کو داخل کیا جارہا ہے) کو جس چیز پر ترجیح حاصل ہے، وہ مذہبی رسوم ہیں، نہ کہ مذہبی اعتقاد اور مذہبی اعتقاد کے سرچشمہ سے پھوٹنے والے قوانین۔

اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ''رہنما اُصول'' کی دفعہ (۴۴) کا تعلق مذہبی قوانین سے بھی ہے اور اس کے ذریعہ ریاستوں کو مذہبی معاملات میں بھی یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا اختیار دیا گیا ہے تو بھی ''مسلم پرسنل لا'' کا قانونی موقف کافی مضبوط رہتا ہے، اس لئے کہ بنیادی حقوق کی حیثیت دستور کی روح اور بنیادی کی ہے، جب کہ ''رہنما اُصول'' کی حیثیت محض ایک اخلاقی ہدایت کی ہے، بنیادی حقوق کی اس اولیت اور اہمیت کو اکثر ماہرین قانون کے علاوہ ملک کے قائدین نے بھی تسلیم کیا ہے؛ چنانچہ آنجہانی جناب جواہر لال نہرو، سابق وزیر اعظم ہند نے ''بنیادی حقوق'' کی رپورٹ پر بیان

دیتے ہوئے کہا :

> بنیادی حق کو کسی وقتی دشواری کے تحت نہ دیکھنا چاہئے ؛ بلکہ اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے کہ آپ اسے دستور میں مستقل مقام دے رہے ہیں، بنیادی حقوق کے علاوہ دوسرے اُمور کو خواہ وہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں، اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے کہ وہ عارضی ہیں۔

اس لئے اگر ان دونوں دفعات کے درمیان تعارض تسلیم کر لیا جائے تو بھی مسلم پرسنل لا کے تحفظ کا تعلق چوں کہ ''بنیادی حقوق'' سے ہے، اس لئے وہ مقدم ہے اور قابل ترجیح ہے۔

افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ ہماری معزز عدالتیں اپنے افکار، اپنے جذبات اور سماجی زندگی سے متعلق اپنے تصورات کو قانون پر فوقیت دینے لگی ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عدالتیں کبھی از خود طلاق اور تعدد ازواج کے مسئلہ کو اُٹھاتی ہے، کبھی نفقۂ مطلقہ کے مسئلہ کو اور بار بار حکومت کو یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں یاد دلاتی ہیں، کبھی عدالت کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ مسلم خواتین کی بے آبروئی کے قضیہ کو اُٹھائے اور حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائے، مطلقہ سے زیادہ دشوار صورت حال بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کی ہوتی ہے، عدلیہ کو خیال نہیں ہوا کہ وہ فسادات میں بیوہ اور یتیم ہو جانے والے سینکڑوں؛ بلکہ ہزاروں عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں حکومت کو ان کی ذمہ داری یاد دلائے اور مجرموں کے خلاف قدم اُٹھائے، مسلم عورت کی پسماندگی کا اصل سبب طلاق نہیں ہے؛ بلکہ مسلمانوں کی بے روزگاری ہے، عدلیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اس مظلوم طبقہ کو روزگار کے مواقع دیئے جائیں، عورتوں کے لئے سب سے تکلیف دہ صورت حال ان کے شوہروں اور گھر کے مردوں کی نشہ خوری سے پیدا ہوتی ہے اور رہنما اُصول میں یہ بات بھی موجود ہے کہ ملک میں مکمل نشہ بندی ہونی چاہئے ؛ لیکن اس کے بارے میں نہ حکومت سوچتی ہے، نہ عدلیہ ہدایت دیتی ہے، نہ دانشوروں میں کوئی فکر پیدا ہوتی ہے؛ حالاں کہ طلاق کے واقعات کا پیش آنا بہت ہی بُری بات ہے ؛ لیکن مسلم معاشرہ میں اس کا تناسب ہندوؤں سے کم ہے اور بہت سی طلاقیں بیوی کے مطالبہ یا اس کی رضامندی سے ہوتی ہیں اور زیادہ تر حالات میں عورت طلاق کے بعد بے سہارا نہیں ہوتی، اس کے والد، بیٹے، بیٹیاں اور بھائی، بہن اس کی کفالت کرتے ہیں؛ لیکن عدالت کی ساری توجہ اسی ایک مسئلہ پر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ 'یونیفارم سول کوڈ' مختلف وجوہ سے ہمارے ملک کے لئے مناسب نہیں ہے، ایک تو اس سے اقلیتوں کے مذہبی حقوق متاثر ہوں گے، جو دستور کی بنیادی روح کے خلاف ہے، دوسرے : یکساں قانون ایسے ملک کے لئے تو مناسب ہوسکتا ہے، جس میں ایک ہی مذہب کے ماننے والے اور ایک ہی تہذیب سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے ہوں، ہندوستان ایک تکثیری سماج کا حامل ملک ہے، جس میں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ پائے جاتے ہیں، کثرت میں وحدت ہی اس کا اصل حسن اور اس کی پہچان ہے، ایسے ملک کے لئے یکساں عائلی قوانین قابل عمل نہیں ہیں، تیسرے : مذہب سے انسان کی وابستگی بہت گہری ہوتی ہے، کوئی بھی سچا مذہبی شخص اپنا نقصان تو برداشت کر سکتا ہے؛ لیکن مذہب پر آنچ کو برداشت نہیں کر سکتا؛ اس لئے اگر کسی طبقہ کے مذہبی قوانین پر خط تنسیخ پھیرنے اور اس پر خود ساختہ قانون مسلط کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس سے مایوسی کے احساسات اور بغاوت کے جذبات پیدا ہوں گے اور یہ ملک کی سالمیت کے لئے نقصان دہ ہے، ہمارے سامنے ناگاؤں اور میزوؤں کی واضح مثال موجود ہے کہ انھوں نے اس کے بغیر عَلم بغاوت کو نہیں جھکایا کہ ان کو کچھ خصوصی رعایتیں دی جائیں، جن میں ان کے لئے اپنے قبائلی قانون پر عمل کرنے کی آزادی بھی شامل ہے؛ اس لئے حقیقت یہ ہے کہ مختلف گروہوں کو اپنے اپنے قوانین پر عمل کی اجازت دینا ملک کے مفاد میں ہے، اس سے قومی یکجہتی پروان چڑھے گی، نہ یہ کہ اس کو نقصان پہنچے گا۔

مسلمانوں کو تو یونیفارم سول کوڈ پر اعتراض ہے ہی؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو عملی طور پر خود اکثریتی فرقہ بھی اس کو قبول نہیں کرے گا، ہندوؤں کی مختلف ذاتیں ہیں اور نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں ان کے الگ الگ طریقے ہیں، ایسا نہیں ہے کہ ملک کے سارے ہندوؤں کا ایک ہی طریقہ ہو، حد تو یہ ہے کہ وہ اپنے بنیادی عقائد اور عبادات کی باتوں میں بھی یکساں نہیں ہیں،

کوئی مورتی پوجا کا قائل نہیں ہے، کوئی قائل ہے، کوئی راون کو بُرا بھلا کہتا اور رام کو پوجتا ہے، کوئی رام کو بُرا بھلا کہتا ہے اور راون کی پرستش کرتا ہے، خود نکاح کے سلسلہ میں دیکھیں کہ شمالی ہند میں ماموں اور بھانجی کے درمیان نکاح کا تصور نہیں؛ لیکن جنوبی ہند میں بہن کا اپنے بھائی پر حق سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرلے، قبائلیوں کے یہاں خاندانی رسم و رواج بالکل مختلف ہیں، آج بھی بعض قبائل میں ایک مرد ایک درجن سے زائد عورت سے نکاح کرسکتا ہے، یہاں تک کہ ابھی بھی ایسی رسمیں پائی جاتی ہیں کہ ایک عورت ایک سے زیادہ مرد کے نکاح میں ہوتی ہے، جس ملک میں مذاہب اور تہذیبوں کا اس قدر تنوع پایا جاتا ہو، وہاں ایک ہی قانون تمام گروہوں کے لئے کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟

جو لوگ یکساں سول کوڈ کے وکیل ہیں، وہ بنیادی طور پر دو باتیں کہتے ہیں: ایک یہ کہ اس سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی، دوسرے: جب یورپ میں تمام قوموں کے لئے یکساں قانون ہوسکتا ہے تو ہندوستان میں کیوں نہیں ہوسکتا؛ لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں، قانون سے قومی یکجہتی پیدا نہیں ہوتی، قومی یکجہتی، رواداری، تحمل اور ایک دوسرے کے معاملہ میں عدم مداخلت سے پیدا ہوتی ہے، دنیا کی دونوں جنگ عظیم بنیادی طور پر ایسی دو قوموں کے درمیان ہوئی ہے، جن کا مذہب ایک تھا، جن کی تہذیب ایک تھی، جن کا قانون اور طرز زندگی ایک تھا، یہ ساری وحدتیں جنگ کو روکنے اور قومی وحدت پیدا کرنے میں ناکام رہیں، خود مسلم ممالک میں دیکھئے کہ عراق و ایران، شام و افغانستان کے مختلف گروہوں کے درمیان اس کے باوجود جنگیں ہو رہی ہیں کہ وہ بنیادی طور پر ایک ہی مذہب اور ایک ہی قانون کی حامل ہیں، ہندوستان ہی کو دیکھئے کہ یہاں مختلف راجاؤں کے درمیان جنگوں کی ایک طویل تاریخ ہے، یہ سب ایک ہی طریقۂ زندگی پر چلنے والے لوگ تھے؛ لیکن یہ وحدت ان کو جوڑ نہیں پائی اور آج بھی فرقہ وارانہ فسادات اس لئے نہیں ہوتے کہ مسلمانوں کا معاشرتی قانون الگ ہے اور ہندوؤں کے خاندانی رسوم و رواجات الگ ہیں؛ بلکہ اس کے برعکس مذہبی قانون سے ہٹ کر جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دام محبت میں گرفتار ہوکر بین مذہبی شادی رچاتے ہیں تو اس سے فرقہ وارانہ تناؤ پیدا ہوتا ہے اور قومی یکجہتی پارہ پارہ ہوجاتی ہے؛ اس لئے یہ سوچنا قطعاً غلط ہے کہ قانون کی وحدت کی وجہ سے قومی یکجہتی پیدا ہوگی، ویسے بھی عائلی زندگی کے علاوہ تمام قوانین میں پہلے سے یکسانیت موجود ہے؛ لیکن کیا یہ یکسانیت قومی اتحاد کو برقرار رکھنے میں کافی ثابت ہورہی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قومی یکجہتی اس بات سے پیدا ہوگی کہ ہر گروہ کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اپنی تہذیب کو پروان چڑھانے کا موقع دیا جائے، اس سے ہر گروہ میں اطمینان ہوگا، وہ محسوس کریں گے کہ وہ اس ملک میں برابر کے شہری ہیں، اس سے حب الوطنی میں اضافہ ہوگا، احساس محرومی ختم ہوگا، بھائی چارہ کا ماحول پیدا ہوگا اور یہی قومی یکجہتی ہے، ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ہر چیز میں یکسانیت اور وحدت پیدا کرنا ممکن نہیں ہے، اگر آپ قانون ایک کر بھی دیں تو ملک میں جو مختلف تہذیبی اور ثقافتی گروہ ہیں، جن کے لباس و پوشاک، رہن سہن، خوشی و غم کے اظہار کے طریقے، زندگی گزارنے کے انداز، سماجی رسوم و رواجات الگ الگ ہیں اور اس کی جڑیں ان کے مذہب، موسم، جغرافیائی محل وقوع، خاندانی روایات اور نسلی خصوصیات میں پیوست ہیں، کیا ان کو بھی ختم کیا جاسکتا ہے؟ پھر یہ بات قابل غور ہے کہ مذہب، تہذیب اور زبان کا یہ تنوع کوئی عیب ہے یا یہ اس ملک کا حسن ہے؟ گلاب کا ایک پھول بھلا لگتا ہے یا مختلف پھولوں کا گلدستہ؟ پھول کا ایک پودا خوبصورت نظر آتا ہے، یا طرح طرح کے پودوں پر مشتمل پھلواری؟ ظاہر ہے کہ جو خوبصورتی اس تنوع میں ہے، وہ خوبصورتی اس وحدت میں پیدا نہیں ہوسکتی، جس کے پیچھے جبر اور دباؤ کا دخل ہو، ہندوستان کو اس کے معماروں نے گلدستہ بنایا ہے نہ کہ ایک پھول، اس ملک کے سینچنے والوں نے اس کو نوع بہ نوع درختوں کا ایک باغ سدا بہار بنایا ہے نہ کہ صرف ایک ہی طرح کے درختوں کا باغیچہ، اس کے بنانے والوں کے ذہن میں تھا کہ یہ ملک ایک چراغ ہمہ رنگ ہو، یہی ہمہ رنگی اس کا حسن اور یہی تنوع اس کی پہچان ہے۔

یورپ کی جو مثال ہندوستان کے لئے پیش کی جاتی ہے، وہ بالکل بے محل ہے، ہندوستان اتنا وسیع ملک ہے کہ پورا یورپ اس کے ایک حصہ میں سماجائے، اور ہندوستان کی آبادی اتنی کثیر ہے کہ شاید پورا یورپ مل کر بھی اس کی ہمسری نہ کرسکے؛ اس لئے ہندوستان جیسے ملک کی سالمیت اور

قومی یکجہتی اسی بات میں مضمر ہے کہ اس میں تنوع کو برقرار رکھا جائے اور ایسی وحدت پر زور نہ دیا جائے، جو اتحاد کو پارہ پارہ کر کے رکھ دے--- مشرقی ملکوں اور مغربی ملکوں میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے کہ مغرب میں لوگوں کا مذہب سے سنجیدہ اور جذباتی تعلق نہیں ہے؛ ان کے یہاں ایک دو تیوہاروں کے سوا مذہب سے زندگی کا کوئی رشتہ باقی نہیں رہا، مردم شماری کے ریکارڈ میں صرف خاندانی روایت کے طور پر کسی مذہب کا نام لکھا دیا جاتا ہے؛ اس لئے مذہبی قوانین کے ختم کئے جانے پر ان کا کوئی ردعمل نہیں ہوتا اور یہ دراصل چرچوں کے ظالمانہ رویہ کے خلاف عوام کی بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے قید آزادی کا نتیجہ ہے، جس کی ایک کڑوی تاریخ ہے، ہندوستان کی یہ صورت حال نہیں ہے، ہندوستان میں بسنے والے لوگ مذہب سے جذباتی تعلق رکھتے ہیں؛ اسی لئے جب ۱۹۵۶ء میں ہندوؤں کے لئے باضابطہ قانون بنا تو خود صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اس سے دل برداشتہ تھے، اور اسی لئے ہندوؤں سے متعلق قوانین میں ہر جگہ اس بات کو شامل کرنا پڑا کہ اگر کہیں مقامی رسم و رواج اس کے خلاف ہو تو اس کو ترجیح ہوگی۔

یکساں سول کوڈ کے حق میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے اور سیکولر ملک میں مذہبی قوانین کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے--- یہ بھی محض غلط فہمی ہے، سیکولرازم کا کوئی ایک مفہوم متعین نہیں ہے؛ بلکہ مختلف ملکوں میں وہاں کے حالات اور مصالح کے لحاظ سے اس کا مفہوم متعین کیا گیا ہے، سیکولرازم کا ایک مفہوم وہ ہے، جو فرانس نے اختیار کیا ہے، جس کی بنیاد مذہب کی مخالفت پر ہے، جو چاہتا ہے کہ کوئی مذہبی شناخت باقی نہ رہے تو بہتر ہے، جو اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنی زندگی کے کسی بھی شعبہ میں مذہبی ہدایات پر عمل کرے، سیکولرازم کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہ ہو، سرکاری طور پر کسی خاص مذہب کی پشت پناہی نہ ہو؛ لیکن ملک کے ہر شہری کو اپنی نجی زندگی میں مذہب پر عمل کرنے کی گنجائش ہو، بیشتر مغربی ممالک میں اسی مفہوم کے اعتبار سے سیکولرازم کو اختیار کیا گیا ہے اور ہندوستان میں بھی اسی کو برتا گیا ہے، نیز اسی کے مطابق دستور کی تدوین عمل میں آئی ہے؛ اس لئے یہ بات بالکل بے محل ہے کہ چوں کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے؛ اس لئے یہاں عائلی زندگی سے متعلق مذہبی قوانین کی گنجائش نہیں۔

یہ بات بھی بہت عجیب لگتی ہے کہ بی، جے، پی نے یونیفارم سول کوڈ کو اپنے ایجنڈے میں رکھا ہے، یہ فرقہ پرست پارٹی بنیادی طور پر برہمنی فکر کی نمائندہ ہے اور آر، ایس، ایس، کا سیاسی بازو ہے، جو ہندوستان میں 'منوواد' کو واپس لانا چاہتی ہے، یہ اپنے آپ کو ہندوؤں کے حقوق کا محافظ قرار دیتی ہے، اگر اس نے ایسے مسائل کو اپنی فہرست میں رکھا ہے، جن میں ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں کے مفادات میں ٹکراؤ ہو، یا جن کا مقصد ہندوؤں کی بالا دستی قائم رکھنا ہو تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے؛ لیکن مسلم پرسنل لا کا مسئلہ مسلمانوں کا آپسی مسئلہ ہے، اگر اس پر مسلمان عمل کریں تو اس سے ہندوؤں کو نہ فائدہ ہے نہ نقصان؛ بلکہ ایک طرح سے فائدہ ہے کہ مسلم پرسنل لا کے تحت مسلمان اور ہندو کے درمیان رشتہ نکاح قائم نہیں ہوسکتا، اس طرح وہ بات پیش نہیں آئے گی، جس سے یہ حضرات خوفزدہ ہیں اور جس کو غلط طریقہ سے انھوں نے ''لو جہاد'' کا نام دے رکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے نفرت اور اقلیتوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی کے سوا اس کا کوئی اور محرک نہیں ہوسکتا۔

اور صرف بی، جے، پی کا رونا کیوں کر رویا جائے؟ افسوس تو انگلی پر گنے جانے والے ان چند نام نہاد مسلمانوں پر ہے، جو فرقہ پرست اور اسلام دشمن عناصر کا آلۂ کار بن کر مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں، میں ان کی مجبوری سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ دراصل اپنی بے روزگاری کا حل نکالنا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ جو لوگ صلاحیت کی بنا پر نہیں؛ بلکہ خوشامد کی بنا پر سرکاری مناصب حاصل کرتے ہیں، وہ چاہے عمر کے کسی مرحلہ میں ہوں، اس سے محروم ہو کر بے قرار ہو جاتے ہیں، کیا کہا جائے کہ اس وقت ہر چیز کی قیمت بڑھتی جارہی ہے، انسان اپنی ضروریاتِ زندگی خریدنے سے عاجز ہوتا جارہا ہے؛ لیکن ایک چیز ہے جو سستی ہوتی جارہی ہے، سستی سے سستی اور ارزاں سے ارزاں تر، اور وہ ہے کچھ لوگوں کا ضمیر، یہ ضمیر کے سوداگر ہیں اور کوڑیوں میں اپنا مال بیچتے ہیں، ان کے لئے ہدایت ہی کی دُعا کی جاسکتی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان ۔

❁❁❁

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملک گیر

”دین اور دستور بچاؤ تحریک“ کی ضرورت اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی

ہمارا ملک جمہوری، آزاد، خود مختار، اور سیکولر ملک ہے، اس کا خاص امتیاز یہ ہے کہ یہاں مختلف مذاہب اور الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے افراد بستے ہیں، اور یہاں کے ہر ایک شہری کو اپنے عقیدے اور مذہب پر عمل کی بھرپور آزادی ہے، اور اختلاف مذہب وتہذیب کے باوجود اتحاد اور کثرت میں وحدت کا حسین منظر یہاں دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بھارت کے آئین کی ترتیب کے وقت اس بات کا پورا خیال رکھا گیا تھا کہ بھارت کے ہر ایک شہری کو ظلم وستم سے نجات اور زندگی کے ہر مرحلہ میں برابری اور انصاف ملے، مگر افسوس ہے کہ بھارت کے آئین کے بنیادی اصولوں سیکولرازم، انصاف، آزادی، مساوات اور باہمی اخوت اور بھائی چارگی کو بڑی بیدردی کے ساتھ پامال کیا جارہا ہے، اور بھارت کو سیکولر اسٹیٹ سے تبدیل کرکے ایک خاص تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی بھرپور سازشیں کی جا رہی ہیں۔ نیز مختلف مذہبی، لسانی اور سماجی اکائیوں کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کا رویہ اختیار کیا جارہا ہے، دبے کچلے انسانوں کو مزید دبانے اور ان کے حقوق سلب کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اگرچہ بھارت کے آئین کی بنیاد انصاف (Justice) پر رکھی گئی ہے، مگر آزادی کے بعد سے اب تک مختلف مرحلوں میں ملک کے مختلف طبقات کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوتی رہی ہے، اور انہیں ظلم وستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ ملک کے الگ الگ حصوں میں الگ الگ مذہبی اور تہذیبی اکائیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور بڑے پیمانے پر ان اکائیوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا گیا، اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، جو ملک کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ اور عالمی سطح پر وطن عزیز کی بدنامی کا ذریعہ ہے۔

یہ سچ ہے کہ بھارت کے آئین میں ہر شہری کو مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے، لیکن عملاً صورتحال یہاں یہ ہے کہ ملک کی اقلیتوں سے ان کا عقیدہ اور مذہب چھیننے اور انہیں ایک خاص تہذیب کے رنگ میں رنگنے کے مقصد سے منظم اور منصوبہ بند طریقہ پر کاروائیاں کی جا رہی ہیں، اور تمام مذاہب اور تہذیبوں کو مٹا کر ایک خاص مذہب وتہذیب کی بالادستی کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ اقدامات کئے جا رہے ہیں، دکھ کی بات یہ ہے کہ مختلف اقلیتوں، مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائیوں پر بدترین مظالم ڈھانے والے مجرم آزاد گھوم رہے ہیں، انہیں اب تک قرارواقعی سزا نہیں دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز پورے ملک کی سالمیت وبقا کے لئے سخت نقصان دہ ہے، اور اس کے بہت غلط نتائج سامنے آرہے ہیں، اور مستقبل میں اس سے زیادہ کے امکانات ہیں۔

آئین ہند کی رو سے ہندوستان ایک جمہوری، خود مختار، آزاد اور سیکولر ملک ہے، سیکولر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی حکومت کسی مذہب کی پابند نہیں ہوگی، اور نہ وہ کسی مذہب کو نافذ کرنے کی کوشش کرے گی، نیز حکومت کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی وثقافتی اداروں میں کسی ایک مذہب کی تعلیم نہیں دی جائے گی، اور نہ کسی ایک مذہب یا تہذیب کے رسوم و عبادات کی پیروی کرائی جائے گی۔ مگر دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ اسکولوں اور کالجوں کے نصاب و نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کرکے اسے ایسا رخ دیا جارہا ہے کہ وہ کسی ایک خاص مذہب کی نمائندگی کرنے والا نصاب تعلیم بن جائے۔ اسی طرح ان اداروں میں کچھ ایسی چیزوں کو لازمی قرار دیا جارہا ہے۔ جن کا تعلق کسی خاص مذہب یا تہذیب کے رسوم و عبادات سے ہے اور یہ چیز آئین کی بنیادی دفعات سے ٹکرانے والی ہے۔

ملک کی دوسری بڑی اکثریت مسلمان ہیں۔ ان کے پاس سب سے بڑی دولت ان کا دین اور عقیدہ توحید ہے، جس سے وہ کسی قیمت پر بھی دستبردار نہیں ہو سکتے، لیکن افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ مسلمانوں سے ان کا

دین و ایمان چھیننے اور انہیں ایک خاص تہذیب کا پابند بنانے کیلئے پورا زور صرف کیا جارہا ہے، یوگا، سوریہ نمسکار، وندے ماترم، اور اسکولوں کے نصاب و نظام تعلیم میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کے پیچھے یہی ذہن کارفرما ہے علی الاعلان ۲۰۲۰ء تک مسلمانوں کے خاتمے کی بات کہی جارہی ہے۔ ان کے شعائر کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ مدارس اور مساجد کے معاملہ میں دخل اندازی کی جارہی ہے۔ اسی کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر نفرت پھیلانے اور ملک کے دوسرے باشندوں کے سامنے مسلمانوں کو مجرم، دہشت گرد، امن دشمن اور وطن مخالف کی شکل میں پیش کرنے کا سلسلہ بھی پورے زور وشور سے جاری ہے، جس کی وجہ سے ملک میں کشیدگی بڑھ رہی ہے، اور نفرت کا بازار گرم ہورہا ہے۔

اس پوری صورت حال کے پیش نظر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بڑے غور وخوض اور تمام مثبت ومنفی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ایک ملک گیر عوامی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کا نام ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' تجویز کیا گیا ہے۔ بورڈ کے صدر عالی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ نے اس تحریک کی قیادت ملک کے مایہ ناز عالم دین وشیخ طریقت حضرت مولانا سید محمد ولی صاحب رحمانی زید مجدہم (کارگذار جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کے سپرد کی ہے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں ملک کے مرکزی مقامات کا دورہ بھی شروع کر دیا ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بڑی حکمت ودانش کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ اس تحریک کو صرف مسلمانان ہند تک محدود نہ رکھا جائے، بلکہ اس میں ملک میں بسنے والی مذہبی تہذیبی اور سماجی اکائیوں کو شامل کیا جائے اور سبھوں کے اتحاد واشتراک کے ذریعہ ملک کو درپیش خطرات کا بھرپور مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۸/اگست ۲۰۱۵ء کو دہلی میں مشاورتی نشست رکھی گئی تھی، جس میں مختلف مذہبی تہذیبی اور سماجی اکائیوں (عیسائیت، دلت، بدھ مت، سکھ، لنگایت) کے اعلیٰ سطحی نمائندے شریک ہوئے، اور انھوں نے بورڈ کی جانب سے شروع کی گئی تحریک پر اپنے اتفاق اور مشترکہ جدوجہد کے لئے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا، اس مشاورتی نشست میں یہ بات بھی طے ہوئی کہ ایک مشترکہ پریس کانفرنس کے ذریعہ اس اتحاد واشتراک عمل کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ ۲۱/اگست ۲۰۱۵ء کو دہلی کے پریس کلب آف انڈیا میں مشترکہ پریس کانفرنس ہوئی، اور میڈیا کے سامنے حضرت مولانا محمد ولی صاحب رحمانی، اے سی مائیکل، وامن میشرام، جگت گرو دوجے مرتیجے، سوامی کرونیشور وشوناتھن، اشوک امبیڈکر راج رتن امبیڈکر اور جناب کمال فاروقی نے اس بات کا اظہار کیا کہ ملک کی سالمیت و بقا اور اس کے سیکولر دستور کی حفاظت کے لئے مل جل کر بھرپور جدوجہد کی جائے گی، اور اپنے یا کسی بھی مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائی کے دین ومذہب میں کسی قسم کی سرکاری یا غیر سرکاری مداخلت کی کوشش کو کسی بھی قیمت پر برداشت نہیں کیا جائے گا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانان ہند کو آواز دیتا ہے کہ وہ اپنے دین وایمان کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہوجائیں، اور اس عزم کو اپنے دلوں میں تازہ کریں کہ ہم اس ملک میں اپنے تمام تر تشخصات کے ساتھ دین وایمان کی حفاظت کرتے ہوئے رہیں گے، اور اپنے عقیدہ و مذہب کے سلسلہ میں کسی طرح کی سرکاری یا غیر سرکاری مداخلت برداشت نہیں کریں گے اور عقیدۂ توحید کو جان کی قیمت پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔

اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ملک کے باشندوں، بالخصوص مختلف مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائیوں کو آواز دیتا ہے کہ وہ دستور ہند کے تحفظ وبقا، ظلم کی مخالفت اور مظلوموں کی حمایت کے سلسلہ میں فکرمندی کے ساتھ مشترکہ جدوجہد کے لئے تیار ہوجائیں اور مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے چلائی جانے والی تحریک میں حصہ لیں، کہ یہ وقت کی اہم ضرورت اور حالات کا تقاضہ ہے۔

رائے عامہ کی بیداری کے لئے پہلے مرحلہ میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کی جانب سے ملک کے بڑے بڑے شہروں اور مرکزی مقامات پر جلسوں، سمینار اور سمپوزیم کا انعقاد کیا جائے گا، اور اس میں مختلف اقلیتوں کے قائدین اور سیکولر ذہن رکھنے والے برادران وطن سے رابطہ کرکے انہیں اس عوامی تحریک میں شریک کرنے کی کوشش کی جائے گی، (انشاء اللہ) علماء کرام، دانشوروں، سماجی اور تعلیمی کارکنوں اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مختلف اقلیتی طبقات اور اکائیوں سے رابطہ رکھیں، انہیں مشترکہ مقصد کے لئے متحدہ کوششوں پر آمادہ کریں، اور دین اور دستور بچاؤ تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے مشترکہ اجلاس/سیمینار/سمپوزیم/کا پروگرام بنا کر اس کی رپورٹ دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ A1 ۷۶ مین مارکیٹ، اوکھلا وہیلج، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔ aimplboard@gmail.com کو ضرور بھیجیں۔

۞۞۞

مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس اور امروھہ کی تاریخی اہمیت

شبیہ احمد

اسوقت ہمارا وطن عزیز ہندوستان جن حالات سے گزر رہا ہے صدیوں سے چلی آ رہی رواداری، بھائی چارہ اور مشترکہ تہذیب کو ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت جسطرح ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، دستور میں دیئے ہوئے انسانی اقدار اور مذہبی حقوق کو جسطرح خاموشی سے پامال کیا جارہا ہے، اسکا تقاضا ہے کہ ہر وہ شخص جسے اپنے وطن عزیز سے محبت ہے، جو یہاں امن، خوشحالی، یگانگت، رواداری اور مذہبی میل جول کو قائم رکھنا چاہتا ہے، دوسرے الفاظ میں جسکو اس ملک کا مستقبل عزیز ہے، اسکے لئے ضروری ہوگا کہ اسوقت وہ سب کچھ چھوڑ کر ان تمام ملک اور سماج دشمن عناصر کے خلاف جدوجہد میں شریک ہوجائے جو اس ملک کو قدامت پرستی، فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کی آگ میں دھکیل دینا چاہتے ہیں، اسکو پھر مذہبی جنون سے اسی اندھے غار میں لیجانا چاہتے ہیں، جہاں مذہب اور ذات کے نام پر انسان انسان کو ہی کاٹنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، کبھی گائے کے تحفظ کا بہانہ کر، کبھی رام مندر کی تعمیر کے سہارے، کبھی پاکستان سے جھوٹے رشتوں کے الزام لگا کر، ملک میں پھیلی ہوئی سب سے بڑی مذہبی اقلیت یعنی مسلمان پر عرصہ حیات تنگ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، جو کہ آبادی کے لحاظ سے دوسری بڑی اکثریت ہے۔ آبادی کے اتنے بڑے حصہ کی وفاداری پر شک کیا جاتا ہے۔ انکی ملک سے محبت اور وفاداری پر انگلیاں اٹھائی جاتی ہیں، اور یہ سب اسی مذہبی اقلیت کے خلاف کیا جارہا ہے جو ایک نہ دو بیس کروڑ ہیں اور ملک میں کشمیر سے کنیا کماری تک پھیلے ہوئے ہیں، اور جنکا ایک شاندار ماضی ہے، جن سے اسلاف نے ایک نہ دس بلکہ صدیوں اس ملک پر حکومت کی ہے، اسکو تہذیب سے روشناس کیا ہے، اس تہذیب کی نشوونما میں بھرپور حصہ لیا ہے، انصاف پرستی، رواداری، اور سماجی برابری کی بےشمار قندیلیں روشن کی ہیں، جنہوں نے اس ملک کی آزادی کے لئے جان دینے میں کبھی شک وشبہ کا اظہار نہیں کیا، بلکہ شہادت کی اگر کوئی جامع تاریخ مرتب کی جائے تو انکا حصہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے اگر زیادہ نہیں تو کسی طرح کم بھی نہیں ہوگا۔ آج اسی مشترکہ تہذیب وتمدن کے دامن سے پیدا ہوئی زبان اردو کو صرف مسلمانوں سے جوڑا جاتا ہے، اور اسپر پاکستانی ہونے کا لیبل لگایا جاتا ہے۔

مشکل یہ ہے کہ ان سب سماج دشمن اور ملک دشمن عناصر کو ایسی سیاسی حمایت حاصل ہے جس پر سیکولر پارٹی کا لیبل لگا ہوا ہے، ان کی طرف سے ملک کو توڑنے والی تمام تخریبی کوششوں کو راشٹر نرمان اور ملک کے استحکام کا نام دیا جاتا ہے، ہندوتو کو ہندوستانی قومیت اور ہندی، ہندو اور ہندواستھان کو عین قومی نظریہ مان کر آگے بڑھایا جارہا ہے۔ اسکے برعکس ہندوستان کی مسلم اقلیت اپنے مذہبی تشخص کی بقاء، اپنے مذہبی اقدار کی حفاظت کے لئے کوئی اقدام کرے، کوئی تحریک چلائے تو اسے فوراً فرقہ پرستی پر محمول کر دیا جاتا ہے، زندگی میں مسلم اقدار اور علامات اپنانے کو بہت آسانی سے ملک دشمن سے تعبیر کرلیا جاتا ہے۔ اور اسکی ملک سے محبت پر فوراً ہی سوالیہ نشان لگا دیا جاتا ہے۔

ایسے نامساعد حالات میں ہر ذی ہوش ہندوستانی کا یہ اولین فریضہ ہے کہ دستور کی اس روز ہونے والی پامالی کو روکنے کے لئے سینہ سپر ہوجائے، ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسانی حقوق کی پہرے داری کے لئے اور ہندوستان کے دستور کی حفاظت کے لئے چلائی جارہی تحریک میں

شامل ہوجائے کیونکہ اگر دستور ہی نہیں بچے گا تو یہ ملک بھی نہیں بچے گا۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی اس ملک کے تحفظ پر کوئی آنچ آئی ہے تو مسلمان نے برداشت نہیں کیا ہے، اور وہ اس لڑائی میں سب سے آگے رہا ہے۔

ان حالات میں ۷؍جون ۲۰۱۵ء کو لکھنؤ میں ہوئے مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صدارت میں لیا گیا یہ فیصلہ کہ اسوقت دین اور دستور کے تحفظ کے لئے ملک گیر تحریک چلانے کی ضرورت ہے، انتہائی مناسب ہے، کیونکہ اگر اس ملک میں سماجی بھائی چارہ، محبت، رواداری، سماجی انصاف اور دستور میں دیئے ہوئے مذہبی حقوق اور انسانی اقدار کی حفاظت نہیں ہوسکی تو پھر یہ ملک اور اسکے شاندار مستقبل اور ترقی کے سارے خواب چکنا چور ہوجائیں گے۔

اتنے عظیم الشان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ایک منظم تحریک کی کڑیاں پرونے کا شمالی ہندوستان میں یہ سلسلہ امروہہ سے شروع کیا جارہا ہے۔ ۱۰؍دسمبر ۲۰۱۵ء کو ہونے والے ایک انتہائی عظیم الشان عوامی اجلاس کے ذریعہ، دین اور دستور بچاؤ تحریک کے لئے صحیح بات تو یہ ہے کہ امروہہ جیسے مقام کا انتخاب انتہائی موزوں ہے، کیونکہ امروہہ کی رواداری، مذہبی میل جول اور آپسی بھائی چارے کی ایک عظیم تاریخ ہے، ہندوستان کی آزادی کے بعد سے اب تک ایک چھوٹے سے واقعہ کو چھوڑ کر آج تک یہاں کوئی فرقہ وارانہ چنگاری نہیں پھوٹی۔

1980 میں جب اسکے پڑوس میں مرادآباد فرقہ واریت کی آگ میں بری طرح جل رہا تھا، امروہہ کے ہندو مسلمان اپنے روایتی میل جول کے ساتھ رہ رہے تھے، اور یہاں مذہبی جنون کا کوئی شعلہ نہیں بھڑکا۔ ہندو مسلم یک جہتی کی امروہہ نے شاندار روایت قائم کی، اسکے ساتھ ہی امروہہ کا ایک شاندار ماضی اور درخشاں تاریخ ہے، یہاں کے باشندوں نے کندھے سے کندھا ملا کر ملک کے تحفظ کی ہر تحریک میں حصہ لیا ہے، اور ملک کے تحفظ پر کبھی آنچ آئی ہے تو اسکی حفاظت کے لئے اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔

قربانی اور جدوجہد کی شاندار روایات سے امروہہ کی تاریخ عبارت ہے، چاہے وہ منگلولوں سے تقابل ہو یا 1857 کی آزادی کی لڑائی ہو یا 22-1918 میں خلافت تحریک ہو یا 42-1941 میں گاندھی نہرو اور آزاد کی قیادت میں چلائی جارہی بھارت چھوڑو تحریک ہو، یہاں سے ہندو مسلمانوں نے ہر تحریک میں کندھے سے کندھا ملا کر اپنی جانیں قربان کی ہیں، یہاں کے عوام نے ہمیشہ روشن خیال قیادت کے جھنڈے تلے ہر اس تحریک پر لبیک کہا ہے جو ملک و سماج کو یک جہتی، مذہبی رواداری، سالمیت، مضبوطی اور روشن مستقبل کی طرف لے جاتی ہیں، اسی لئے یہاں کے عوام نے ماضی میں اپنی نمائندگی کے لئے مولانا حفظ الرحمٰن، آچاریہ کرپلانی، مولانا اسحٰق سنبھلی جیسے روشن خیال لوگوں کو چنا تھا۔ ملک کو مذہب کے نام پر بانٹنے کی کوئی تحریک اور اسکے ہمنواؤں کو یہاں کبھی پذیرائی نہیں ملی ہے، مبارکباد کے مستحق ہیں امروہہ کے ہندو اور مسلمان عوام۔

امروہہ سے عوام کی ایک اور مشترکہ خصوصیت رہی ہیکہ انہوں نے ہمیشہ رات کو رات اور دن کو دن کہا ہے، یعنی امروہہ سے عوام نے سیاست کے میدان میں بھی کبھی جی حضوری اور خوشامد کو اپنا شعار نہیں بنایا ہے، حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اسکے پاس چاہے کتنے ہی وسائل واکثریت کیوں نہ رہی ہو، یہاں کے عوام نے غلط بات اور غلط حکم کے آگے سر نہیں جھکایا ہے، صاف بات کہنے میں کبھی تأمل نہیں کیا۔ ایمرجنسی کے دوران یہاں کے عوام نے انسانی حقوق کی پاسداری کے لئے اسوقت کی حکمراں سے سیدھے لوہا لیا، اور ان طاقتوں کے ہاتھ مضبوط کئے جو ایمرجنسی کے دوران سیاسی مظالم کا شکار ہوئے تھے۔ امروہہ کی یہ خصوصیت ہندوستان کی سیاست کے اوراق پر درخشاں الفاظ میں درج ہیں۔

دہلی سے جانب مشرق تقریباً 135 کلومیٹر مرادآباد سے جانب مغرب 35 کلومیٹر، گنگا اور رام گنگا ندی کے بیچ میں آباد امروہہ ایک تاریخی حیثیت کا حامل حصہ ہے جسے اب ضلع امروہہ کا درجہ حاصل ہے۔

یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ ان ساری خصوصیات کے علاوہ

امروھہ ایک تاریخی بستی ہے جہاں سیکڑوں سال سے علم ،تصوف اور خانقاہی نظام کی قندیلیں روشن ہیں، امروھہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کا آباد شہر ہے، اسکے تاریخی ناموں میں قصبہ عزیز پورا اور انبروھہ بھی مشہور ہے، لیکن بارہویں صدی کے مشہور ولی اللہ اور بزرگ شیخ سید شرف الدین شاہ ولایت کی یہاں آمد سے آج تک یہ شہر شاہ ولایت صاحب کا شہر کہا جاتا ہے، جنھوں نے اپنے علم اور فضل کے ایسے دریا بہائے کہ اپنے مزار کے آس پاس پائے جانے والے بچھوؤں کی بھی خصلت بدل ڈالی اور وہ اپنی قدرتی خصلت کے برعکس کاٹنا بھول جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی اس شہر کو امروھہ نام دیا تھا۔

حضرت شاہ ولایت اور انکی اولاد میں ہوئے کئی بزرگوں کے علاوہ امروھہ بے شمار بزرگوں ،صوفیاء ،پیروں اور فقیروں کا مسکن رہا ہے۔ یہ ان ہی بزرگوں کی تعلیمات اور تربیت کا اثر ہے جو امروھہ کے مزاج کا حصہ بن گیا ہے اور جسکے نتیجے میں امروھہ میں عام طور پر ایک رواداری اور روشن خیالی پائی جاتی ہے، اسکے چاروں اطراف میں بزرگوں کے مزار ہیں، جو اپنے وقت کے قطب تھے، اور انسان اخلاق اور مذہبی رواداری کے روشن منارہ تھے، چاہے وہ شاہ عبدالہادی ہوں یا شاہ عبدالباری ،شاہ ابن بدر چشتیہ ہوں یا بھورے خاں شہید ،شہر سے چاروں سمت میں شہر کی پاسداری کرتے ہیں، ان سب نے اپنی زندگی کو انسانی خدمت اور علم وعمل کی روشنی پھیلانے کے لئے وقف کر دی تھی، اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے مزین تھے۔

یہاں ان بے شمار درگاہوں اور خانقاہوں کے ساتھ ہی بائیں کا کنواں اور واسودیو تالاب ہیں جو یہاں کے ہندوؤں کے مقدس مقامات ہیں، یہاں کے عوام ایک دوسرے کے تہواروں میں شریک ہوتے ہیں۔ یہاں کے محرم اور تعزیہ داری ساری دنیا میں مشہور رہیں۔ اور انسان کو ظلم کے آگے سر نہ جھکانے کی تعلیم دیتے ہیں شہر کی تاریخی اہمیت کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ 1874ء میں لکھی گئی اس شہر کی ایک مستند تاریخ یعنی تاریخ اصغری جیسے یہیں کے ایک فرزند اصغر حسین نے تالیف کی تھی۔ اپنے زمانہ میں اس شہر کی آبادی تقریباً ۳۵ رہزار بتائی ہے، انہوں نے یہاں کی سماجی زندگی اور علمی درس گاہوں کے بارے میں جو تفصیل بتائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر تاریخ کے اس موڑ پر بھی انتہائی بلندی پر تھا۔

اسوقت اس پرگنہ کے تحت چھ سو آٹھ دیہات تھے۔ اور یہاں 109 مشہور مساجد اور ایک عیدگاہ موجود تھی۔ چھیالیس امام باڑے اور دو کربلائیں موجود تھیں ،شہر کی ۹ ردرگاہیں زبان زد خاص و عام تھیں، جہاں ہر مذہب اور مسلک کے لوگ حاضری دیتے تھے، یہاں کا مشہور دریا سوت جسکو محمد شاہ بادشاہ نے پاروفادار کا نام دیا تھا جو اب معدوم ہے۔ واسودیو تالاب کے علاوہ سات شوالے، دس ٹھاکر دوارے اور متعدد دھرم شالائیں ہیں، اور پاٹھ شالائیں قائم کرنے کا عام رواج تھا۔ عام طور پر مسجدیں بھی مکتب کا کام کرتی تھیں، مکتبوں میں تعلیم حاصل کرنے کا رواج بلاتفریق مذہب وملت تھا۔ اس ذکر سے تقریباً ۵۰۰ رسال پہلے جب یہاں ابن بطوطہ کا گذر ہوا تھا یعنی تیرہویں صدی عیسوی میں، انہوں نے اپنے سفرنامہ میں تفصیل سے شہر امروھہ کا ذکر کیا ہے اور اسکی خوبصورتی اور محل وقوع کا منفرد انداز میں ذکر کیا ہے۔

سماج سے اسی خمیر اور معاشرہ کے اسی مزاج کی تاثیر تھی کہ جہاں سے بے شمار مصنف، مؤلف، شاعر اور قلم کار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے قلم کی جولانیوں سے ساری دنیائے ادب میں نام روشن کیا۔

مصحفی امروھوی سے لیکر کمال امروھوی تک اس کی ایک لمبی فہرست ہے جنھوں نے انسانیت کی بقاء اور رواداری کے فروغ کے لئے اہم کوششیں کیں ہیں، تاریخ کی کوئی منزل ایسی نہیں ہے جہاں امروھہ کے عوام نے اپنے نقوش نہ چھوڑے ہوں۔

علیگڑھ یونیورسٹی کی تاریخ وقارالملک کے ذکر کے بغیر ادھوری رہتی ہے جو امروھہ کے ہی باشندے تھے۔ ملک کی تعمیر وترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جسکی تزئین میں امروھہ کا حصہ نہ ہو۔ آج بھی اس علاقہ کی تعلیمی ترقی میں امروھہ ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

❁❁❁

امروہہ ایک مختصر تاریخی جائزہ

مفتی محمد اسلم امروہی (استاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ)

الحمد للہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، محمدو آلہ و صحبہ اجمعین، و بعد!

امروہہ ایک قدیم مردم خیز اور تاریخی شہر ہے، جس کی علمی، ادبی، ثقافتی اور تہذیبی تاریخ، تاریخ ہند کے نقشے پر سنہرے حرفوں سے مرقوم ہے۔ مؤرخین کے مطابق یہ بستی زائد از ڈھائی ہزار برس قدیم ہو چکی ہے، ہستناپور کے ایک راجہ ''امرجودہ'' کو جو ۴۷۴ قبل مسیح میں راجگدی پر بیٹھا تھا، امروہہ کا بانی بتایا جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ کے سلسلے میں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ امروہہ دراصل سنسکرت زبان کے ایک لفظ vejksoue وبھو (امروئم) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''آموں کی جگہ'' اور چونکہ آموں کے باغ یہاں بکثرت پائے جاتے تھے اور آج بھی یہ علاقہ آموں کے لحاظ سے مشہور ہے۔ پھر مرور ایام کی بناء پر حرفوں میں کچھ تبدیلی ہوتی رہی اور آخرکار یہ نام ''امروہہ'' رہ گیا۔

امروہہ کی تاریخی اہمیت کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ ۱۸۸۹ء میں لکھی گئی اس شہر کی ایک مستند تاریخ ''تاریخ اصغری'' جو امروہہ ہی کے ایک فرزند مولانا اصغر حسین نقوی کی تالیف ہے۔ جس میں مؤلف نے حضرت مولانا آل حسن نقشی امروہی کی ۱۹۸۰ میں لکھی ہوئی امروہہ کی اولین تاریخ ''نخبۃ التواریخ'' فارسی سے نقل کرتے ہوئے اس زمانے کی آبادی تقریباً ۳۵ ہزار تحریر کی ہے۔ مؤلف محترم نے اپنے زمانے کے جو حالات تحریر کیے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امروہہ اس زمانہ میں بھی انتہائی بلندی پر تھا۔ اس کے بعد محترم جناب محمود احمد عباسی صاحب مرحوم نے امروہہ کی تین جلدوں پر مشتمل تفصیلی تاریخ لکھی (۱): تاریخ امروہہ۔ ۱۹۳۰ء (۲) تذکرۃ الکرام ۔ ۱۹۳۲ء (۳): تحقیق الانساب ۔ ۱۹۳۲ء۔ سب سے پہلے حضرت مولانا محب علی خان صاحب عباسیؒ امروہی کی مختصر تالیف ''آئینۂ عباسی'' ہے۔ جس میں سادات کا اجمالی تذکرہ ہے۔

امروہہ کو ہر زمانے میں اہل اللہ صلحاء، اطباء، ادباء، شعراء اور نامی گرامی علماء کا مسکن ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ مشہور ہے کہ امروہہ پر مسلمانوں کے تسلط کی ابتداء سلطان محمود غزنوی کے کسی صاحبزادے کے زمانہ میں سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کے مجاہدانہ حملے سے ہوئی، سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد میں سید العارفین سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہ العزیز ملتان سے مع اپنے خلفاء اور اعزاء کے امروہہ تشریف لائے اور یہیں مقیم ہو گئے اور اپنے روحانی مرتبہ کے سبب یہاں کے ''شاہ ولایت'' کہلائے۔ اور جن کی کرامات آج تک کھلی آنکھوں نظر آتی ہیں، کہ ان کے مزار مبارک پر زہریلے بچھو بھی کاٹنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔

سلسلہ چشتیہ کے تین مشہور اور پائے کے بزرگ، شاہ عضدالدین علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۱۷۲ھ) شاہ عبدالباری علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۱۲۶ھ) اور شاہ عبدالہادی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۱۹۰ھ) بھی یہیں آسودۂ خواب ہیں۔

اسلامی دنیا کا عظیم سیاح ابن بطوطہ اندلسی ممالک اسلامیہ کی سیر کرتا ہوا دہلی پہنچا اور سلطان محمد تغلق کے حکم سے ۷۴۱ھ میں شاہ ولایت کے انتقال کے دو سال بعد امروہہ آیا اور دو ماہ تک یہاں مقیم رہا۔ اپنے سفرنامہ میں امروہہ کے بارے میں لکھتا ہے: ''ھی بَلْدَۃٌ صَغِیْرَۃٌ جَمِیْلَۃٌ.'' یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے۔

امروہہ کی تعریف میں ابن بطوطہ کے مندرجہ بالا قول کا ذکر کرتے ہوئے برصغیر کے مشہور مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی ''تذکرۂ بدر چشت'' میں لکھتے ہیں: ''امروہہ کا یہ حسن، اس کے محل وقوع یا جغرافیائی خصوصیات کے باعث نہیں؛ بلکہ علماء، مشائخ، اصحاب ذکر وفکر کے ان خانوادوں کے جمال وکمال کا پرتو تھا، جس نے یہاں کی مختصر آبادی میں وہ دل کشی پیدا کر دی تھی کہ ایک غیر ملکی سیاح بھی اس کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔''

شہر امروہہ کی تاریخی جامع مسجد اپنی زندگی کے دو سو تریسٹھ برس مکمل کر چکی ہے۔ ۷۰۱ھ میں سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ پھر ایک مرتبہ بجلی گرنے کی وجہ سے یہ مسجد بہت شکستہ ہو گئی تھی صوفی

خدا بخش عباسی نے ۱۲۷۳ھ میں اس کو از سر نو درست کرایا۔ چنانچہ حسب ذیل قطعۂ تاریخ مسجد کے محراب کے پاس کندہ ہے:

ترمیم شکستگی مسجد ☆ از رونق دیں خبر بر آورد
ایں مسجد پاک، بعد صد سال ☆ از سجدۂ شکر سر بر آورد

اسی تاریخی جامع مسجد میں ایک تاریخی مدرسہ بھی قائم ہے، جو ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے چند سالوں بعد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (متوفی:۱۲۹۷ھ) کے ایماء پر جن مرکزی دینی اداروں کی داغ بیل ڈالی گئی، ان میں ایک اہم نام جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کا بھی ہے، یہ مدرسہ بھی حضرت قاسم العلوم والمعارف کے دریائے فیض کی ایک نہر ہے۔

۱۲۷۳ھ مطابق ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی تحریک اور آپ کی امروہہ تشریف آوری کے موقع پر اسی جامع مسجد میں مدرسہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور ''قاسم العلوم'' نام تجویز کیا گیا، جو آگے چل کر جامعہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ مدرسہ ابتداً اپنے محدود دائرے میں خدمت دین کا فریضہ انجام دیتا رہا، یہاں تک کہ جب ۱۳۰۳ھ میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہی علیہ الرحمہ (متوفی:۱۳۶۷ھ) مدرسہ شاہی سے مستعفی ہو کر امروہہ تشریف لائے اور آپ نے اہالیان شہر کے اصرار پر اس مدرسہ کو رونق بخشتے ہوئے علوم دین کی نشر و اشاعت شروع کی تو کچھ ہی عرصہ میں یہ درسگاہ شہرت اور اعتبار کے اوج کمال پر پہنچ گئی، محدث امروہی علیہ الرحمہ کی بھاری بھر کم علم و فضل کی حامل شخصیت نے تشنگانِ علوم نبوت کو امروہہ کی طرف متوجہ فرمایا۔ ہندوستان کے علاوہ کابل، تاشقند، سمرقند، بخارا وغیرہ کے طالبان علوم بھی امروہہ آ کر اس چشمہ فیض سے سیراب ہونے لگے۔ امروہہ کے فیض علم کا سر چشمہ جو حوادث روزگار سے متاثر ہو رہا تھا، پوری رعنائی کے ساتھ پھر رواں دواں ہو گیا۔ محدث امروہی علیہ الرحمہ اپنے استاذ مکرم کے کمالات کا آئینہ اور نمونہ تھے۔ حضرت قاسم العلوم والمعارف خود ارشاد فرمایا کرتے تھے: ''ان کا ذہن سونا ہے اور میرا چاندی مزاج کے اعتبار سے وہ مجھ سے قریب ہیں۔'' معاصر علماء میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل تھا، علمی وفقہی مسائل میں جہاں بھی علماء کو شکوک وشبہات لاحق ہوتے تو حل مشکلات کی خاطر آپ ہی کی جانب رجوع فرماتے، آپ کی رائے اور آپ کا فتویٰ علماء کے لیے سند ہوتا۔

حضرت امروہی کے علاوہ مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ عبد الرحمٰنؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا اعجاز حسنین صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدیؒ، حضرت مولانا قاری فضل الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا سید طاہر حسن صاحب امروہی علیہم الرحمہ جیسے جبال علم بھی اس قدیم علمی مرکز کے مناصب تدریس سے وابستہ رہ چکے ہیں، اس ادارہ کے خوشہ چینوں میں بھی وقت کے مشاہیر کا نام آتا ہے۔ فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی تعلیم کا آغاز یہیں سے کیا تھا۔ ہندوستان کے معروف مجود قاری ضیاء الدین الہ آبادیؒ نے بھی یہیں سے سند فراغت حاصل کی۔ مفتی محمود صاحب سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد (پاکستان) اور مولانا سید محمد طاسین صاحب صدر مجلس علمی کراچی نے بھی صحاح ستہ کی تکمیل کے بعد حافظ عبد الرحمٰن امروہیؒ سے ہی سند فراغت حاصل کی تھی۔

اس ملک کی آزادی میں امروہہ کا رول بہت طویل اور اہم ہے۔ ۱۹۳۰ء میں جنگ آزادی کی تحریک کی ابتدا کے لیے ہمارے بزرگوں نے امروہہ ہی کو منتخب فرمایا تھا۔ حضرت مولانا سید معظم حسنین صاحبؒ کے زیر اہتمام جمعیۃ علماء ہند کا نواں اجلاس ۳، ۴، ۵، ۶، ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ موافق ۳، ۴، ۵، ۶ مئی ۱۹۳۰ء ہفتہ، اتوار، پیر، منگل ہوا تھا۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

عالمی سطح پر ملت اسلامیہ کی جو تشویشناک صورت حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ روز مرّہ کے حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں، نیز ان کے خلاف فرقہ پروروں کی طرف سے شر انگیز مہم جاری ہے، ان حالات میں اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ پورے عزم و ہمت اور بلند حوصلگی کے ساتھ صورت حال کا مقابلہ کیا جائے۔

لہٰذا ہندوستان کی سب سے باوقار متحدہ، مشترکہ اور متفقہ پلیٹ فارم ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کے اکابر نے اس پر غور و فکر کیا اور پورے ملک میں تحریک چلانے کا فیصلہ کیا اور الحمد للہ اتر پردیش میں یہ شرف بھی امروہہ ہی کو حاصل ہو رہا ہے کہ اس تحریک کی ابتدا بھی یہیں سے ہو رہی ہے 10 ر دسمبر 2015ء بروز جمعرات، صبح: 10 بجے سے عید گاہ امروہہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی صدارت میں یہ عظیم الشان اجلاس عام ہوگا اور اس سے ایک دن پہلے ۹ ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو مجلس عاملہ کی اہم نشست ہوگی۔

بورڈ کی سرگرمیوں کا مختصر خاکہ

مرتب: وقارالدین لطیفی

بورڈ کی مجلس عاملہ ۷رجون ۲۰۱۵ء کے فیصلہ کے بعد بورڈ کے سکریٹریز اور مختلف کمیٹیوں کے کنوینرس کی ایک دو روزہ مشاورتی نشست مؤرخہ یکم و۲راگست ۲۰۱۵ء کو بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں ہوئی، جسمیں بورڈ کو فعال کرنے، کاموں کی انجام دہی کو مفید تر بنانے، قانونی معاملات وتنظیمی امور کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے سلسلہ میں انتہائی مفید اور دوررس نتائج کے حامل فیصلے کیئے گئے، اسی طرح بورڈ کی عاملہ نے مجلس عمل بنانے کی تجویز منظور فرمائی تھی اور اس کے ارکان کی نامزدگی کے سلسلہ میں صدر بورڈ محترم کو تمام اختیارات دیئے گئے تھے۔ صدر محترم دامت برکاتہم نے ۱۸ررکنی مجلس عمل کی تشکیل فرمائی۔ مجلس عمل برائے تحفظ دین وشریعت کے جملہ ارکان کی پہلی نشست یکم نومبر ۲۰۱۵ء کو بورڈ کے صدر دفتر دہلی میں منعقد ہوئی جسمیں ارکان نے شرکت فرمائی، اس نشست میں تمام کاموں کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ کا لائحہ عمل بنایا گیا۔

اس دوران بورڈ کی ملک گیر "دین اور دستور بچاؤ تحریک" کے جو بھی پروگرام ہوئے ان سب کی قدرے تفصیلی رپورٹ علیحدہ سے اس شمارہ میں شامل کی جارہی ہے۔ اسی طرح مجلس عمل کے فیصلہ کے مطابق ۸ر دسمبر کو خواتین ارکان بورڈ کا ایک اہم مشاورتی اجتماع دہلی منعقد ہوگا، ۹ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اہم اجلاس میسکو پبلک اسکول امروہہ میں منعقد ہوگا جس کا ایجنڈا حسب ذیل ہے۔

(۱) تلاوت کلام پاک (۲) تجاویز تعزیت (بطور خاص بورڈ کے سابق جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدینؒ کی وفات پر) (۳) سابقہ کارروائی کی توثیق وتصدیق (۴) ۷رجون کی مجلس عاملہ کے بعد سے اب تک کی پیش قدمی پر کارگزار جنرل سکریٹری کی رپورٹ (۵) مجلس عمل کی پہلی میٹنگ کی کارروائی پر عمل درآمد کے سلسلہ میں غور اور دین اور دستور بچاؤ تحریک کو پورے ملک میں عام کرنے اور اس کے لئے ملک کی مختلف اقلیتوں کو ساتھ لینے کے سلسلہ میں غور وفکر (۶) بورڈ کے تمام ارکان کو متحرک کرنے کے سلسلہ میں غور وفکر (۷) بورڈ کی مختلف کمیٹیوں (اصلاح معاشرہ، تفہیم شریعت، دارالقضا کمیٹی، لیگل کمیٹی) کی کارکردگی پر غور نیز اسکو مزید مفید تر بنانے کے سلسلہ میں غور (۸) عدالتوں کے ذریعے ہورہے خلاف شریعت فیصلوں کے سدباب پر غور (۹) بورڈ کے ۲۵ویں اجلاس عام (جو انتخابی اجلاس عام ہوگا) کے مقام اور تاریخ کی تعیین (۱۰) بقیہ امور باجازت صدر محترم

دین اور دستور بچاؤ تحریک کے سلسلہ میں اجلاس عام ۱۰ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو دن کے گیارہ بجے سے سہ پہر ساڑھے تین بجے تک (عیدگاہ میدان) امروہہ

اسی دن دوپہر ۳ر بجے سے خواتین کا اجلاس عام بھی ہوگا اور دوسرے روز یعنی ۱۰ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو عیدگاہ امروہہ میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کا عظیم الشان اجلاس عام بھی ہوگا، انشاءاللہ اگلے شمارہ میں ان سب پروگراموں کی رپورٹ شائع کی جائیگی۔

اسی دوران یکساں سول کوڈ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کی طرف سے مسلم پرسنل لا بورڈ کا جائزہ لینے کے لئے فیصلہ اور حکومت سے یونیفارم سول کوڈ کے بارے میں تجویز طلب کرنے پر بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کی طرف سے حسب ذیل پریس بیان جاری کیا گیا

پریس ریلیز:

- نئی دہلی: سپریم کورٹ کے مسلم پرسنل لا کا جائزہ لینے کے فیصلہ

اورحکومت سے یونیفارم سول کوڈ تجویز طلب کرنے کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے عدالت سے مسلم پرسنل لا کو سمجھنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ امید ہے کہ اسے سمجھنے کے بعد اس پر کوئی سوال نہیں کھڑے کئے جائیں گے۔ بورڈ نے متنبہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ مذہبی آزادی میں کسی طرح کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔ عائلی قوانین براہ راست قرآن واحادیث سے مستفاد ہیں جو اسلام کی روح ہیں۔ ان سے کسی بھی صورت میں مسلمان دستبردار نہیں ہوسکتے۔ سپریم کورٹ کے فیصلہ پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے کیا۔ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری نے یہ بھی کہا کہ سپریم کورٹ نے جو اقدامات کا مشورہ دیا ہے۔ عدالت یہ سمجھتی ہے کہ عائلی قوانین کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اس نے تبصرہ کیا ہے کہ موجودہ صورتحال میں خواتین کے درمیان مساوات نہی ں ہے، لیکن عدالت یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ پرسنل لا کی ضمانت سیکولر آئین ہند دیتا ہے۔ شریعت اپلیکیشن ایکٹ دیتا ہے۔ ایک غیرمسلم کے لئے بڑا مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ اس چیز کو محسوس کرے کہ نکاح، وراثت، طلاق یہ چیزیں مذہب سے جڑی ہوئی ہیں۔ حالانکہ مسلم پرسنل لا کی بنیاد قرآن کریم میں موجود ہے اور جہاں جہاں ان احکامات کی آیتیں ہیں۔ وہاں تلک حدود اللہ کہہ کر تنبیہ بھی کی گئی ہے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں۔ ان حدود سے آگے بڑھنے کی مسلمان ہرگز ہمت نہیں کرسکتا۔ خدائی احکام کو ماننا عین اسلام ہے، اور خواتین خود اس طرح کے فیصلوں کی مخالفت کریں گی۔ اسلام کا معاملہ دوسرے مذاہب کی طرح نہیں ہے، دوسروں کے جو قوانین ہیں ان کے یہاں مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری نے یہ بھی کہا کہ یکسانیت پیدا کرنے کی بات جھوٹا پروپیگنڈہ ہے۔ ہر قانون میں لکھا گیا ہے کہ اس کمیونٹی میں کوئی رواج ہے تو رواج کو قانون پر فوقیت حاصل ہے۔ تو جب رواج کو فوقیت دے دی گئی تو کہاں گئی آپ کی یکسانیت، لوگ جھوٹا پروپیگنڈہ کررہے ہیں۔ ساؤتھ میں بھانجی سے شادی ہوتی ہے، نارتھ میں ایسا نہیں ہے تو کس قانون میں یکسانیت کی بات وہ کہہ رہے ہیں۔ ایک علاقہ کے کلچر کو دوسرے پر جب مسلط نہیں کرسکتے تو یکساں قانون کس طرح نافذ العمل ہوگا۔ یکسانیت سے قومی یکجہتی نہیں بڑھے گی، یہ جھوٹ ہے۔ مذہبی قوانین سے مسلمانوں کی وابستگی اتنی گہری ہے کہ وہ جان سے زیادہ عزیز ہیں۔ سیکولرزم اس سے نہیں بڑھ سکتا ہے یہ غلط ہے۔ خواتین کے حقوق متاثر ہونے کی بات اس لئے کہی گئی ہے انہوں نے اسلام کے حقوق کو دیکھا نہیں ہے، ہندوؤں کے یہاں وراثت میں خواتین کو کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے کوئی بتادے کہ کسی ایک اسکول میں دو ہیڈ ماسٹر نہیں ہوسکتا، ایک ملک میں دو وزیر اعظم نہیں ہوسکتا۔ تو ایک خاندان میں دو سرپرست کیسے ہوسکتا۔ مرد پر خاندان کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری ہے اور عورت کے اوپر یہ ذمہ داری نہیں ہے۔ اسلام میں ذمہ داری تقسیم کی گئی ہے، اسلام نے تناسب پیدا کیا ہے، ذمہ داری کے اعتبار سے حقوق بھی دیئے ہیں۔ ہمارے یہاں جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ خاندان کی ذمہ داری کے اعتبار سے ہے۔ انہوں نے چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ کوئی مجھے بتائے کہ کیا ہر مسلمان ایک سے زائد شادی کرتا ہے یہ ایک افسانہ گڑھ کر ایک فضا پیدا کی جاتی ہے اور سروے کرالیا جائے کہ کس کمیونٹی کے پاس ایک سے زائد عورت ہیں تو مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے اور اکثریتی فرقہ میں اور گجرات میں ہندو مرد ایک سے زیادہ خواتین رکھتے ہیں۔ اور حقوق میں انہیں بیوی کا درجہ نہیں ملتا۔ اس کو کیوں ختم نہیں کیا جاتا جو ان کے پرسنل لا کے بھی خلاف ہے۔ دوسری قوموں کے یہاں ایک سے زائد خواتین ہیں جو بغیر حقوق کے رہتی ہیں، اسلام نے تو مساوات کا درس دیا ہے۔ طلاق کے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جب میاں بیوی میں نا اتفاقی ہو تو دنیا کا کوئی قانون جوڑ نہیں سکتا۔ اسلام میں طلاق بندگی میں چھوڑنے کا نام نہیں ہے اور دوسری شادی کرسکتی ہے۔ میں ہندو بھائیوں اور ججوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے شاستری قانون تو طلاق نہیں ہے لیکن 1950 میں طلاق کہاں سے آئی۔ کیونکہ آپ بھی اس کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اسلام میں ایک طلاق ہی بہتر ہے، تاکہ واپسی کی گنجائش رہے، ورنہ مذہب میں مداخلت ہے۔ ہمارے عائلی قوانین کا گہرا تعلق

قرآن واحادیث سے ہے جوایک مسلمان کیلئے سب کچھ ہے۔ عدالت مذہبی آزادی کے سیکشن کو دیکھے، ایسی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوگی۔ مسلم پرسنل لا کبھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس ملک کی خوبصورتی صرف اس میں ہے کہ ہر کمیونٹی کو اس کے مذہب کے مطابق چلنے دینا چاہئے تبھی عوام پر اعتماد بحال ہوگا۔ ضمانت دیں کہ کسی طرح کی مسلم پرسنل لا میں چھیڑ چھاڑ نہیں ہوگی۔ واضح ہو کہ جسٹس انل آر دوے اور جسٹس اے کے گوئل کی بنچ نے کہا کہ من مانے طریقے سے دی جانے والی طلاق اور دوسری شادیوں نے مسلم خواتین کا تحفظ چھین لیا ہے۔

- ۲رنومبر ۲۰۱۵ء کو بابری مسجد کی حقیقت اور رام جنم بھومی کی اصلیت پر بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب کی طرف سے انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس کی گئی اس موقع پر حسب ذیل تحریری صحافتی بیان بھی جاری کیا گیا:

PRESS RELEASE

New Delhi. November 2, 2015

I with sincerity and humility, make an earnest appeal to all my countrymen and particularly to those who want to construct Rama Janmabhoomi temple at the site of Babari Masjid to ponder over the following relevant facts.

1. The present Ayodhya in Faizabad District of UP is not that Ayodhya in which Sri Rama was born. This Ayodhya is not Ayodhya of the Ramayana times;

a) Sri Rama was born in and ruled the land which Vedas and Puranas describe as Supta Sindhu. Nowhere Gangetic plan is mentioned as the birth place or the Kingdom of Sri Rama.

b) Sapta Sindhu is the land of seven (7) rivers, in which Saraswati, Sindh and five rivers of Punbjab flow. Sapta Sindhu land extends from Haryana and Punjab of India to Pakistan upto the eastern part of Afghanistan.

c) The Ayodhya, in which Sri Rama was born must be in the Sapta Sindhu land to the West of River Sindhu.

d) Sri Rama is believed to be Avatar of Vishnu in Treta Yug. His time has been calculated as 5114 B.C. This has been confirmed that the present Ayodhya came into existence in the 7th Century B.C. This Ayodhya was not in existence during Sri Rama's time.

e) The Archaeological Survey of India's Jassu Ram had placed the Ayodhya of Sri Ram's birth in Pakistan's district of Dera Ismail Khan, a town now called Rahman Dheri which was earlier called Ram Dheri.

2. I sincerely appeal to all countrymen who appreciate and uphold truth to appreciate that there was no Ram Janma Bhoomi temple which was demolished for building up Babari Masjid.

a) Babur the founder of the Moghal dynasty, in his last testament, had advised his son and successor Humayun to,

- To cleanup his heart from all religious prejudices
- To do justice with communities and particularly to refrain from cow slaughter
- Not to damage temples and places of worship of any community in the kingdom.

(This testament of Emperor Babar is preserved in the National Archive) The Emperor who advises his successor not to cause damage to any temple or place of worship of any Indian community can himself cause destruction of Ram Janma Bhoomi temple in Ayodhya?

b) Goswami Tulsidas composed Ram Charit Manas when Babur's grandson Akber was ruling the country. This Tulsi Ramayan was composed in Ayodhya where Babari Masjid was standing before him. If this mosque had been built on Ram Janma Bhoomi Temple land after demolishing it, Goswami Tulsidas would have certainly narrated this, dipping his pen in the blood of grief stricken heart. As there was no Rama temple in Ayodhya at the site of Babri Masjid, hence he did not say a word on alleged demolition of temple in Ayodhya.

c) There is not even a hint in any writing by a Hindu, Muslims or anyone that there was Ram

Janma Bhoomi temple in Ayodhya which was displaced for building up Babari Masjid.

d) The Hindu countrymen never believed in the false story of Babari Masjid standing on demolished Ram Temple. In 1856 bloody armed conflict took place in Ayodhya. On the news of occupying an old mosque at Hanuman Garhi, some hundred Muslims under the leadership of Shah Ghulam Hussain entered and attacked Hanuman Garhi to reoccupy that old mosque. Armed Bairagies confronted them. Shah Ghulam Hussain had to retreat. He and his band took refuge in Babari Masjid. The Bairagies attacked Babari Masjid. Shah Ghulam Hussain and about 268 Muslims were done to death. Babari Masjid was under control of Hindu Bairagies, but the next day they left this Masjid and allowed the local Muslims to occupy, clean up and perform namaz in Babari Masjid because the Hindus and Bairagies did not believe that Babari Masjid on the site of Ram Temple.

3. The false rumor::- of demolition of Ram Janma Bhoomi and of construction Babari Masjid was invented by the Europeans and particularly the Britishers to sow seeds of enmity and hatred between the Hindus and Muslims of the country. For this purpose, they distorted our history and invented such false stories to portray the Muslim rulers as worst oppressors of Hindus and to portray themselves as rescuers and benefactors of the Hindus.

a) This false story finds mention for the first time in 1767 in an Austrian traveler Joseph Tieffenthaler's 'History and Geography of India'. The Britishers were active in spreading this rumours and they attempted to make this false story reliable. They narrated it in Gazetteers. There is no such notion or even hint in any document or writing by any Hindu or Muslim before 1767.

b) In the 1885 case, in which Mahant Dharam Das had asked the court to permit him to build a grand temple at Ram Chabutra, there was no claim, no evidence that the doomed structure was the birth place of Sri Ram. The case was heard by Sub-Judge Pandit Hari Kishan and he refused to give permission. In his judgement there is not a word to indicate that the building of Babari Masjid was in anyway sacred to the Hindus. But the District Judge Chamier and the Judicial Commissioner young, both Englishmen, without a word in evidence or on file, in their judgement on appeals, wrote that the land of Babari Masjid was considered very sacred by the Hindus.' Thus the Britishers tried to lend credence to the false story of demolition of Ram Temple at Ayodhya.

In the end I appeal to my countrymen again not to believe the false story invented by the Britishers and also make appeal with folded hands to Sanskrit and Vedic scholars and historians to come forward and let the Hindu countrymen know that not the Gangeitc plain but Sapta Sindhu was the land of Rama and that time present Ayodhya was not in existence.

وفیات

بورڈ کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب ۱۷/اکتوبر ۲۰۱۵ء بعد نماز مغرب اور رکن بورڈ مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی صاحب ۱۶/ستمبر ۲۰۱۵ء کو مالک حقیقی سے جا ملے۔

غیر ارکان بورڈ میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی خوش دامن سیدہ عصمت النساء صاحبہ ۲۵/اگست ۲۰۱۵ء کو، مولانا الیاس بھٹکلی ندوی کی والدہ محترمہ بی بی جمیلہ صاحبہ ۲/ستمبر ۲۰۱۵ء کو، مولانا عبدالرحیم بستوی صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند ۹/ستمبر ۲۰۱۵ء کو، حافظ محمد امتیاز رحمانی کے والد محترم جناب محمد حلیم الدین صاحب مونگیر ۲۳/ستمبر ۲۰۱۵ء کو، مولانا آس محمد گلزار صاحب کی اہلیہ محترمہ ۱۷/ستمبر ۲۰۱۵ء کو، جناب ڈاکٹر سید احمد صاحب گورز منی پور ۲۷/ستمبر ۲۰۱۵ء کو، مولانا طیب عثمانی ندوی گیا ۲۹/ستمبر ۲۰۱۵ء کو، مولانا سید عبدالسمیع جعفری ندوی امیر جمعیت اہل حدیث بہار ۱۴و۱۵/اکتوبر ۲۰۱۵ء کی درمیانی شب اور حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے پھوپھی زاد بھائی جناب رضی الدین صاحب ۳۰/نومبر ۲۰۱۵ء کو انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان سب کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

دین اور دستور بچاؤ تحریک کی سرگرمیاں

مرتب: وقارالدین لطیفی

مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ نے مؤرخہ ۷رجون ۲۰۱۵ء کو ملک گیر سطح پر دین اور دستور بچاؤ تحریک چلانے کا فیصلہ کیا اور یکم و دو اگست ۲۰۱۵ء کو سکریٹریز و کنوینرس کی میٹنگ میں اس کے خدو خال پر غور کیا گیا۔ اس کے بعد یہ تحریک شروع ہوئی اور اسکی ابتدائی کارگزاری اس سے پہلے شمارہ میں دی گئی، اسی تحریک کی اب تک کی کارگزاری ذیل میں باعتبار صوبہ پیش کی جارہی ہے۔

مہاراشٹر

ہمارا ملک ہندوستان ایک جمہوری اور سیکولر ملک ہے، جہاں مختلف اقلیتی طبقات اپنی علاحدہ علاحدہ سیاسی، سماجی، تہذیبی اور لسانی شناخت کے باوجود صدیوں سے باہم اتحاد اور بھائی چارگی کے ساتھ آباد ہیں۔ یہ کثرت میں وحدت ہی ہندوستان کی پہچان اور اس کی شان ہے۔ گزشتہ سال مرکز میں اقتدار کی تبدیلی کے بعد سے ہندوستان کی اس خصوصیت کو ختم کرنے اور اسے ہندو راشٹر میں تبدیل کرنے کی منظم کوششیں جاری ہیں۔ اس کام کے لئے نہ صرف ملک کی اقلیتوں پر ایک خاص تہذیب کو تھوپا جارہا ہے بلکہ دستور میں بھی ترمیم کی ناپاک کوششیں کی جارہی ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بروقت اس خطرہ کو محسوس کیا اور پھر فرقہ پرستوں کے منصوبوں کو ناکام کرنے کے لئے مختلف اقلیتی طبقات کو لے کر ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' شروع کی جس کا پہلا عمومی اجلاس مالیگاؤں مہاراشٹر میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر دین اور دستور بچاؤ تحریک کے کل ہند کنوینر حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے صوبہ مہاراشٹر میں تحریک کو منظم کرنے کی ذمہ داری مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب (رکن بورڈ) کے سپرد کی، مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی نے مہاراشٹر کے مختلف علاقوں کا دورہ شروع کر دیا ہے۔ اب تک جن مقامات پر اجلاس منعقد کئے جا چکے ہیں ان کی روداد یہاں درج کی جاتی ہے۔

● قوموں کے مستقبل کا فیصلہ تعداد سے نہیں استعداد سے ہوتا ہے لہٰذا اپنے اندر جینے کی استعداد اور مشکل حالات سے پنجہ آزمائی کا ہنر پیدا کیجئے اور شکست حوصلہ ہونے کی بجائے اپنے اندر عزم وہمت اور جرأت وعزیمت کے جذبے کو پروان چڑھایئے، ان فکر انگیز خیالات کا اظہار حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے فرمایا، حضرت موصوف ۲۷راگست ۲۰۱۵ء بروز جمعرات کو زینی بشیر ہال مالیگاؤں ہائی اسکول میں مہاراشٹر کے کونے کونے سے آئے ہوئے علماء، ائمہ، سماجی کارکنان، اور سرکردہ افراد کے ایک بڑے مجمع سے مخاطب تھے۔ دین اور دستور بچاؤ تحریک کا آغاز مسجدوں اور میناروں کے شہر سے کرتے ہوئے مسلم پرسنل لا بورڈ کے کارگذار جنرل سکریٹری نے اپنے بصیرت افروز اور فکر انگیز صدارتی خطاب میں اس امید کا اظہار کیا کہ اس تحریک سے ملک کے حالات بدلیں گے اور مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ مسلمانوں اور ملک کے دوسرے مظلوم طبقات کو ملے گا۔

انہوں نے اپنی گفتگو کو دراز کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ آج یوگا، سوریہ نمسکار اور وندے ماترم کے نام پر مسلمانوں سے ان کا عقیدہ چھیننے کی سازش ہو رہی ہے، مذہبی تعلیم وتبلیغ پر پہرے بٹھائے جارہے ہیں اور سچائی یہ ہے کہ جن لوگوں نے ملک میں یہ حالات پیدا کئے ہیں وہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور ان کے ظلم وستم اور سازشوں سے صرف مسلمان ہی نہیں ملک کے بہت سارے طبقات پریشان ہیں، لہٰذا ہم اپنی لڑائی ان سارے مظلوم طبقات کو ساتھ لے کر لڑیں گے، مولانا رحمانی مدظلہٗ العالی سے قبل کلیدی خطاب پیش کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نے

فرمایا: گھر واپسی کا چیلنج کوئی نئی چیز نہیں ہے، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا تھا، ان سے بھی کہا گیا تھا کہ یا تو ہمارا دین ومذہب قبول کرلو اور یا ہمارا ملک چھوڑ کر چلے جاؤ، اس کے جواب میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے صبر واستقامت اور حکمت وہمت کے ساتھ دشمنوں کی تدبیروں کا مقابلہ کیا، اور پھر وہ وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو شکست دی اور اپنے پیغمبروں کو غالب فرمایا، یہ حقیقت ہم سب کو سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد بھرپور کوشش کے بغیر نہیں آتی چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے اندر عزم وہمت پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

انہوں نے اپنے خطاب میں مختلف حوالوں سے یہ نکتہ بھی واضح کیا کہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ موجودہ اربابِ اقتدار نے گاندھی کے بجائے سردا رپٹیل کا راستہ اختیار کیا جس سے ہماری جان، ہمارا مال اور ہماری آبرو خطرے میں ہے، لیکن ایمان محفوظ ہے، اگر وہ گاندھیائی طرز اختیار کرتے تو شاید ہماری جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ ہوتی مگر ہم ایمان سے محروم کردیئے جاتے، انہوں نے حکومت وقت کو للکارتے ہوئے کہا کہ تعلیم کا بھگوا کرن چاہے جبری ہو یا اختیاری دونوں نا قابلِ قبول ہیں کیوں کہ یہ دستورِ ہند کے منافی ہے۔

کلیدی خطاب سے پہلے مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی نے افتتاحی خطاب میں مہمانانِ عظام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ مالیگاؤں کی سرزمین زرخیز اور تحریکوں کو جنم دینے والی ہے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے اب تک اس شہر کا رشتہ بورڈ سے جڑا ہوا ہے اور بورڈ جب بھی آواز دے گا یہ شہر بورڈ کی آواز پر لبیک کہے گا۔

علمائے کرام اور دانشورانِ ملت کے اس مہاراشٹر گیر خصوصی اجلاس میں ممبئی، پونہ، کوکن، مراٹھواڑہ، خاندیش، ودربھ کے کئی درجن مقامات اور متعدد شہروں سے سینکڑوں نمائندہ افراد شریک ہوئے، اور مالیگاؤں شہر کے تمام فعال، اور متحرک علماء وائمہ اور سرکردہ افراد کی بھی شرکت رہی، مہمان علمائے کرام سے پہلے تمام مسالک ومکاتب فکر کے نمائندہ علماء اور ممتاز شخصیات نے تحریک کے سلسلے میں تائیدی تقریر فرمائی، یہ خصوصی اجلاس صبح ساڑھے نو بجے سے شروع ہوکر دو بجے تک جاری رہا۔ حضرت مولانا رحمانی دامت برکاتہم نے اجلاس کے آخر میں مختلف سوالوں کا جواب بھی دیا اور ان ہی کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

● مؤرخہ ۲۷؍اگست ۲۰۱۵ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء متصلا مالیگاؤں کی تاریخی غریب مسجد میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کا اجلاسِ عام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں صدارتی خطاب پیش کرتے ہوئے حضرت مولانا رحمانی نے فرمایا: موجودہ اربابِ اقتدار نے سیدھے طور پر آپ کے وجود کو چیلنج کیا ہے۔ آپ کی نئی نسل سے دین وایمان چھیننے کے لئے یوگا اور سوریہ نمسکار کا فتنہ لائے ہیں جب کہ یہ سراسر شرکیہ عمل اور ویدک طریقۂ عبادت ہے۔ جس کا ذکر تفصیل سے گیتا میں بھی کیا گیا ہے اور سب سے پہلے اس کی تعلیم شری کرشن جی نے شری ارجن جی کو دی تھی۔ یہ چیزیں جن کی تہذیب کا حصہ ہیں وہ شوق سے ان کو اختیار کریں، لیکن مسلمانوں پر ان چیزوں کو تھوپنا دستورِ ہند کے خلاف ہے، حضرت رحمانی نے مسلمانانِ ہند کو پیغام دیا کہ اقلیت واکثریت کے تعدادی جھانسے میں نہ آئیں اور اپنی ماضی کی تاریخ کو یاد رکھیں کہ جب اس ملک میں مسلمانوں کی تعداد صرف ڈیڑھ لاکھ تھی تو انہوں نے اقتدار سنبھالا تھا اور آٹھ سو سال تک حاکم رہے تھے۔ آج ہماری تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو شکست حوصلہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ نے دین اور دستور بچاؤ تحریک کے زبردست استقبال اور انتہائی پرجوش اور پرہجوم اجتماع کے انعقاد پر اہالیان مالیگاؤں کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ اس شہر کے لوگوں میں دینی حمیت وغیرت بہت ہے بس اسے صحیح سمت دینے کی ضرورت ہے۔

آپ کے صدارتی خطاب سے پہلے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن اور خانقاہ نعمانیہ کے سجادہ نشین مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب نے تفصیلی خطاب کیا، اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے عائلی مسائل کو عدالتوں کے بجائے دارالقضاء میں حل کرائیں ۱۹۷۲ء کے مسلم پرسنل لا کنونشن کا پیغام دہراتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ بورڈ ایک طرف

حکومتوں اورعدالتوں سے شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسری طرف مسلمانوں سے یہ کہتا ہے کہ وہ شریعت کی روشنی میں اپنے عائلی مسائل کے حل کے لئے شرعی عدالتوں (دارالقضاء) سے رجوع ہوں۔

اجلاسِ عام میں جمعیۃ علماء ہند (مولانا ارشد مدنی) کی جانب سے نمائندگی کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد اسماعیل قاسمی صاحب نے خطاب فرمایا۔ اسی طرح جمعیۃ علماء (مولانا محمود مدنی) کی طرف سے جناب حافظ انیس اظہر کا خطاب ہوا، رکن بورڈ حضرت مولانا عبدالاحد ازہری صاحب نے اجلاسِ عام کی سرپرستی فرمائی، نیز رکن بورڈ مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی، مفتی حامد ظفر رحمانی اور مفتی حسنین محفوظ نعمانی کا بھی اس موقع پر خطاب ہوا، اس اجلاس عام میں شرکت کے لئے مرد وخواتین کا ہجوم امڈ پڑا، شب بارہ بجے صدر اجلاس کی دعا پر اجلاس کا اختتام ہوا۔

● مؤرخہ ۲۸ راگست بروز جمعہ نماز جمعہ سے قبل حمید یہ مسجد بڑا قبرستان میں رکن مجلس عاملہ مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی نے ہزارہا ہزار فرزندانِ توحید سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دین اور دستور بچاؤ تحریک صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے بلکہ ظلم کا شکار بننے والی ملک کی تمام اقلیتوں کے لئے ہے۔ بورڈ کے ذمہ داران اس سلسلے میں دوسری اقلیتوں کے سربراہوں سے گفتگو کررہے ہیں اور اس سلسلے میں اچھی پیش رفت ہورہی ہے۔ نماز جمعہ میں فرزندان توحید کا جم غفیر تحریک سے وابستگی کا اعلان کررہا تھا، حمیدیہ مسجد بڑا قبرستان میں خطاب کرتے ہوئے مولانا نعمانی نے تین اہم باتوں کی طرف توجہ مبذول کروائی، (۱) اعمال کی اصلاح (۲) اجتماعی کاموں میں شرکت (۳) بچوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ۔

انہوں نے قرآنی آیات، احادیث اور مختلف واقعات سے مثالیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ جسے طاقت کا نشہ ہوجائے اس کا انجام برا ہوتا ہے اور حریف کے لئے وہ موقع تب آئے گا جب ہمارے اعمال درست ہوں گے، ہمارا معاشرہ تعلیم یافتہ ہوجائے گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم اجتماعی کاموں میں عملی شرکت کرنے لگیں گے۔

● مؤرخہ ۲۸ راگست ۲۰۱۵ء بروز جمعہ بعد نماز عصر مالیگاؤں میں منعقدہ پریس کانفرنس میں سخت تیور اختیار کرتے ہوئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے کارگذار جنرل سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ ایسے دن آ گئے ہیں کہ ملک کے وزیر اعظم سڑک پر یوگا کرتے ہیں۔ یوگا کو لازمی قرار دینا اور سوریہ نمسکار کے اقدامات اس ملک میں ہندوتوا کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کے مترادف ہے۔ زبردستی لادے جانے والے فیصلوں کے خلاف آئینی سطح پر جدوجہد کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے دین اور دستور بچاؤ تحریک میں بدھسٹ، کرسچن، لنگایت، جین اور سکھوں کے مذہبی رہنماؤں کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مولانا رحمانی کے مطابق ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کے پوتے اشوک امبیڈکر، جگت گرو (لنگایت سماج) اور وامن میشرام (بھارت مکتی مورچہ، بام سیف) کے علاوہ جین سماج، عیسائیوں اور سکھوں کے نمائندے نیز مذہبی لیڈر مسلسل رابطے میں ہیں کیوں کہ برہمنیت کے خلاف مسلمانوں کو اکیلے نہیں بلکہ تمام پسماندہ طبقات کو ساتھ لے کر جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان تنظیموں کے ساتھ، اقل ترین مشترکہ پروگرام طے کیا جاچکا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ تحریک کو تقویت دینے کیلئے تمام اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے مشترکہ اجلاس، کانفرنسیں، سیمینار، سمپوزیم، باہمی مشاورتی میٹنگیں منعقد کی جائیں گی۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پاس فی الوقت وزیر اعظم ہند سے مسلم مسائل پر ملاقات کرنے کا کوئی پروگرام طے نہیں ہے، ضرورت پڑے گی تو بورڈ کا نمائندہ وفد ان سے ملے گا اور دوٹوک بات کرے گا، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ آج کل جو نام نہاد مسلم وفود وزیر اعظم سے مل رہے ہیں وہ ملک کے مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتے۔

دوسرے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا سجاد نعمانی صاحب نے کہا کہ تحریک کے ساتھ ساتھ بورڈ اس موضوع پر سپریم کورٹ

میں مقدمہ دائر کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ انہوں نے یہ اشارہ بھی دیا کہ یہ تحریک مسلم پرسنل لا بورڈ کی بیالیس سالہ تاریخ کی سب سے بڑی تحریک ہو سکتی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ تحریک میں وہ دبے کچلے مظلوم طبقات بھی شامل ہوں گے جنہیں زبردستی ہندوازم کی چادر اوڑھائی گئی ہے۔ حالاں کہ اصلاًوہ ہندو نہیں ہیں۔

پریس کانفرنس کے اخیر میں حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے یہ اعلان فرمایا کہ ریاست مہاراشٹر کے دین اور دستور بچاؤ تحریک کے کنوینر مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی ہوں گے۔صحافیوں نے مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی سے مہاراشٹر میں تحریک کو منظم کرنے کا خاکہ دریافت کیا جس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پہلے مرحلے میں مہاراشٹر کے مختلف علاقوں کا دورہ کر کے فضا سازی کی کوشش کی جائے گی اور چھوٹے بڑے اجلاس منعقد کر کے برادران اسلام اور مظلوم طبقات کے افراد کو تحریک سے جوڑا جائے گا۔

مالیگاؤں کے کامیاب اجلاس کے بعد بنگلور کا سفر ہوا، اس سفر میں محترم مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی، اور مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب ساتھ تھے۔ بنگلور میں فضا سازی کیلئے خصوصی اجلاس رکھا گیا تھا۔ یہ اجلاس ۳؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب انجمن اسلامیہ یتیم خانہ بنگلور کے وسیع ہال میں منعقد ہوا اور اس میں عمائدین شہر کی قابل لحاظ تعداد شریک ہوئی، مولانا شبیر احمد ندوی اور مولانا صغیر احمد ندوی صاحبان اور ان کے رفقاء نے اس نشست کا انتظام کیا تھا۔ اس خصوصی نشست میں راقم الحروف کے علاوہ مولانا مفتی شعیب اللہ خاں صاحب، مولانا محمد سجاد نعمانی صاحب، اور بنگلور کے مختلف ذمہ دار حضرات اور تمام مسالک و مکاتب فکر کے نمائندہ افراد کا خطاب ہوا۔ اگلے دن جمعہ کو بنگلور کی کئی بڑی مساجد میں اسی موضوع پر عوام الناس کو مخاطب کیا گیا جسکی رپورٹ کرناٹک صوبہ کے تحت آگے درج کی جارہی ہے۔

اورنگ آباد

- مسلمانوں کے لئے سب سے قیمتی سرمایہ دین اور ایمان ہے۔ جس دور میں بھی ایمان پر آنچ آئی مسلمانوں نے اپنی جان کی قیمت پر اس کی حفاظت کی ہے اور کسی بھی حالت میں اس لازوال سرمایہ سے دست بردار ہونا گوارا نہیں کیا ہے۔ آج ایک مرتبہ پھر اس ملک میں وہ وقت آگیا ہے کہ مسلمانان ہند پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ یہ اعلان کریں کہ دین وایمان ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہے اور اس متاع عزیز کے سلسلے میں ہم کسی مصالحت اور مفاہمت کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان فکر انگیز خیالات کا اظہار مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے تاریخی شہر اورنگ آباد میں منعقدہ دین اور دستور بچاؤ اجلاس عام میں فرمایا، مولانا محترم نے بڑے اچھے انداز میں یوگا کے سلسلے میں پرسنل لا بورڈ کا موقف واضح کیا اور فرمایا کہ یوگا دراصل برہمنی تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ ہم کسی طرح بھی اسے ورزش کہہ کر، یا کسی دوسرے عنوان پر قبول نہیں کر سکتے، اس میں سوریہ نمسکار ہے جس میں سورج کی پوجا کی جاتی ہے، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ ویدک کلچر و دھرم کا ایک حصہ ہے۔ مولانا کے بعد حضرت مولانا عبدالحمید ازہری صاحب نے بھی بڑی اہم اور قابل قدر باتیں سامعین کے گوش گزار فرمائی جس کا اچھا اثر سامعین پر پڑا، اس اجلاس عام کی صدارت جناب اویس احمد صاحب نے فرمائی جب کہ مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی، مولانا معز الدین فاروقی، جناب امتیاز جلیل صاحب، جناب امتیاز فلاحی صاحب، محترم ضیاء الدین صدیقی نے موضوع کی مناسبت سے خطاب فرمایا اگلے دن شاہی مسجد میں خصوصی مشاورتی اجلاس مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں فکر مند احباب کے سامنے مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے دین اور دستور بچاؤ تحریک کا تعارف پیش کیا، باہمی مشورے سے یہ بات طے پائی کہ ایک عظیم الشان دوروزہ اجلاس عام اورنگ آباد کی سرزمین پر منعقد ہوگا جس کی تاریخ اکابرین بورڈ بالخصوص حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اور حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی جانب سے طے کی جائے گی۔ ان شاءاللہ

ناندیڑ

- اورنگ آباد کے کامیاب اجلاس کے بعد مولانا محمد عمرین محفوظ

رحمانی صاحب نے مہاراشٹر کے تین اضلاع کا دورہ فرمایا، ۱۸ر ستمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ کو آپ ناندیڑ شہر پہنچے۔ نماز جمعہ سے قبل قدیم مسجد عیدگاہ میں آپ کا خطاب ہوا اور چار بجے سہ پہر مدرسہ مرکز العلوم میں تحریک کے عنوان سے پریس کانفرنس بھی کی گئی۔ عصر کے بعد علماء، ائمہ اور دانشوران کی خصوصی نشست منعقد ہوئی جس میں مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے علماء سے گذارش کی کہ وہ اس تحریک سے متعلق عوام میں بیداری پیدا کریں۔ نیز دانشوران قوم بھی اپنا خصوصی تعاون پیش کریں۔ اسی روز بعد نماز عشاء عمومی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ مسلمان اپنے دین کی بقاء اور دستور کے تحفظ کیلئے بیدار ہو جائیں۔

بھوکر (ناندیڑ)

- ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۵ء بعد نماز مغرب بھوکر (ناندیڑ) میں بھی ایک عمومی جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مولانا عمرین صاحب نے سامعین سے کہا کہ آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین کا ساتھ دیں اور ہر لحاظ سے اس تحریک کا حصہ بنیں۔

بیڑ

- مؤرخہ ۱۹ر ستمبر بروز سنیچر کو مہاراشٹر کے بیڑ ضلع کی جامع مسجد میں علماء، ائمہ و دانشواران قوم کی مجلس میں مفتی حسنین محفوظ نعمانی اور مولانا عبدالحمید ازہری صاحب نے تحریک کے اغراض و مقاصد بیان کئے۔ جبکہ مغرب کے بعد ایک عظیم الشان پروگرام منعقد ہوا۔ جس میں علاقے کی مشہور و معروف شخصیات مختلف مکاتب فکر کے نمائندگان اور کثیر تعداد میں عوام الناس نے شرکت کی۔ آغاز میں حضرت مولانا مفتی محمد عارف فلاحی صاحب نے اپنے خیالات پیش کئے اور تمام جماعتوں سے گذارش کی کہ وہ متحد ہو کر اس تحریک کا ساتھ دیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ یہ وقت کی ضرورت اور حالات کا تقاضہ ہے۔ اہل سنت والجماعت کے صدر جناب محمد علی صاحب نے کہا کہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل ہیں لیکن اہم ترین مسئلہ مسلمانوں کے عائلی قوانین کا تحفظ ہے اس سلسلے میں مسلم پرسنل لا بورڈ ہماری جماعت سے جو بھی تقاضہ کرے گا ہم اسے پورا کرنے کا یقین دلاتے ہیں۔ جماعت اسلامی ضلع بیڑ کے صدر جناب شفیق ہاشمی صاحب نے کہا کہ جماعت اسلامی ہر وقت علماء کی قیادت میں ہر کام کرنے کیلئے تیار ہے۔ ہمارے اسلاف نے ہمیں جہاں چھوڑا تھا دستور کے اعتبار سے ہم ایک قدم بھی وہاں سے پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ جناب زکریا مدنی صاحب نے یوگا کا خاص طور پر ذکر کیا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کے دین پر ایک سخت حملہ ہے اور بھی کئی امور ہیں جنہیں رفتہ رفتہ ہم پر مسلط کیا جا رہا ہے۔ ان کے بعد مولانا مفتی حسنین محفوظ نعمانی صاحب (قاضی شریعت مالیگاؤں) نے فکر انگیز خطاب فرمایا۔ آپ نے یوگا کو علمی انداز میں سمجھایا، مفت اور لازمی حق تعلیم قانون پر کھل کر خطاب کیا اور اس سلسلے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے کاموں کو اجاگر کیا۔ نیز تمام شرکاء سے یہ عہد لیا کہ وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہر ممکن تعاون کریں گے۔

اخیر میں رکن بورڈ و کنوینر دین و دستور بچاؤ تحریک مہاراشٹر مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے اپنے خطاب میں درج ذیل نکات پر روشنی ڈالی۔ (۱) آپ نے علماء کو ان کی ذمہ داری کا بھرپور احساس دلایا۔ (۲) یوگا پر خصوصی روشنی ڈالی۔ (۳) سوریہ نمسکار کی وضاحت کی۔ (۴) مسلم پرسنل لا بورڈ کو دیگر اقلیتی طبقات کی جو حمایت حاصل ہے اس کا بھی تذکرہ کیا اور یقین دہانی کرائی کہ آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین پر مکمل اعتماد کریں۔ وہ آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچنے دیں گے۔ انشاء اللہ۔ قاضی شریعت حضرت مولانا عبدالاحد ازہری صاحب کی صدارت میں منعقدہ یہ جلسہ عام حضرت مولانا عبدالحمید ازہری صاحب (صدر کل جماعتی تنظیم مالیگاؤں) کے مختصر خطاب کے بعد دعا پر ختم ہوا۔

- مؤرخہ ۱۴ر اکتوبر ۲۰۱۵ء کو پرلی ضلع بیڑ میں ایک عظیم الشان اجلاس دین و دستور بچاؤ تحریک کے سلسلے میں منعقد ہوا۔ جس کی پہلی نشست جامعۃ الراشدہ للبنات میں منعقد کی گئی آغاز میں مراٹھواڑہ کے کنوینر مولانا جنید قاسمی صاحب نے خطاب کیا۔ اور پھر صوبائی کنوینر مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے اپنے خطاب میں طالبات سے کہا کہ آپ محنت سے علم دین حاصل کریں، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری مائیں بہنیں

اسلام کی خاطر کچھ کر گزرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں۔ بعد نماز عصر خواص کی میٹنگ جامع مسجد میں منعقد کی گئی۔ جس میں مولانا موصوف نے خواص کو ان کی اہم ذمہ داری کا احساس دلایا۔ اسی روز رات میں عمومی اجلاس منعقد ہوا جس میں اولاً غلام محمد مٹھو صاحب (پربھنی) نے خطاب کیا اور لوگوں کو حوصلہ دلایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے، ان کے بعد جناب مولانا انور صاحب ندوی (احمد نگر) اور مولانا جنید احمد قاسمی صاحب نے خطاب کیا۔ پھر آخر میں مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے اپنے تفصیلی خطاب میں سامعین سے کہا کہ حالات سخت ضرور ہیں مگر مایوس کن نہیں، ہم وہ امت ہیں جسے مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کا ہنر سکھایا گیا ہے اور مایوسی سے بچتے ہوئے ہمت وحکمت کے ساتھ ہر طرح کی دشواریوں پر قابو پانے کا حوصلہ بخشا گیا ہے، ملک کی نازک صورت حال کی تفصیل بتاتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ اب ہماری سب سے قیمتی متاع دین وایمان کو چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے اگر اب بھی ہم اپنے مشاغل میں مصروف رہے تو زمانہ قیامت کی چال چل جائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، مولانا موصوف کی دعا پر مجلس کا اختتام عمل میں آیا۔

پربھنی

● مؤرخہ ۲۰ ستمبر بروز پیر پاڈیلا فنکشن ہال پربھنی میں بعد نماز ظہر جمعیۃ علماء ضلع پربھنی کی جانب سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام چل رہی دین و دستور بچاؤ تحریک کا خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے رکن بورڈ مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب اور شہر اورنگ آباد سے مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا عابد ملی ندوی صاحب مالیگاؤں تشریف فرما تھے۔

اس اجلاس میں ضلع پربھنی کے تقریباً سبھی مکاتب فکر کے افراد اور کثیر تعداد میں علماء حفاظ عمائدین شہر اور نوجوانان شریک رہے، اور تحریک کیلئے اپنی تائید کا اعلان کیا۔ اجلاس کی نظامت صدر جمعیۃ علماء شہر پربھنی حضرت مولانا ظہیر عباس صاحب قاسمی نے کی۔ اور مولانا تجمل احمد خان صاحب ملی، مفتی مرزا کلیم بیگ صاحب ندوی اور دیگر علماء کرام نے تائیدی کلمات پیش کئے۔ مولانا عبدالجلیل تابش ملی صدر جمعیۃ علماء ضلع پربھنی نے ضلع کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے تحریک کیلئے ہر ممکن کوشش کا تیقن دلایا۔

مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے اپنے تفصیلی خطاب میں حالات حاضرہ پر روشنی ڈالی اور تحریک کے مقاصد کو اجاگر کیا۔ اس اجلاس میں شہر جنتور سے علماء کرام کے وفد نے شرکت کی جس میں مولانا تجمل احمد خان ملی، مولانا محبوب الرحمٰن ملی، قاری عبدالرشید حمیدی، مولانا سراج الدین ندوی، مولانا عثمان صاحب ملی اور مولانا محمد زکریا تابش ملی موجود تھے۔

● مؤرخہ ۱۱ را کتوبر بروز اتوار بعد نماز عشاء جامع مسجد جنتور (ضلع پربھنی) کے احاطے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملک گیر تحریک دین اور دستور بچاؤ کا کامیاب اجلاس حضرت مولانا عبداللہ صاحب قاسمی کی صدارت میں ہوا۔ اسی طرح مؤرخہ ۱۲ را کتوبر بروز پیر بعد نماز عشاء ہائی اسکول میدان پاتھری میں بھی دین اور دستور بچاؤ تحریک کا عظیم الشان اجلاس عام حضرت مولانا عبدالجلیل تابش ملی (صدر جمعیۃ علماء ضلع پربھنی) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ دونوں ہی پروگراموں میں مہمان ومقرر خصوصی کی حیثیت سے مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب اور ہنگولی کے مشہور عالم دین مولانا جنید الرحمٰن صاحب قاسمی نے شرکت فرمائی۔ اسی طرح سیاسی و سماجی شخصیات کے علاوہ علماء ائمہ اور عام مسلمانوں سمیت برادران وطن نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی۔

مولانا جنید الرحمٰن قاسمی صاحب نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کو متحد ہو کر حالات کا مقابلہ کرنے اور علماء کی سرپرستی میں کام کرنے کی تلقین کی، نیز ملک میں پھیلی فرقہ پرستی اور اس کے اثرات کو بھی واضح کیا، آخر میں مہمان مقرر رکن بورڈ مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے خطاب فرمایا، آپ نے آزادئ ہند کی تاریخ کو واضح کرتے ہوئے بورڈ کا تعارف پیش کیا، اور اس کی ضرورت و اہمیت کو بھی اُجاگر کیا، آپ نے حکومت وقت کی سازشوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کے لئے اخیر دم تک جدوجہد کرنے کا سامعین سے عزم کروایا۔

دور دراز سے تشریف لائے عوام وخواص اور برادران وطن نے کثیر تعداد میں شرکت کی، مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب کی دعا پر اس پروگرام کا اختتام ہوا۔

- مؤرخہ ۱۳؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء تعلقہ سیلو ضلع پربھنی میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کا اجلاس منعقد کیا گیا جس کی پہلی کڑی بعد نماز ظہر مسجد مرکز میں منعقد کی گئی۔ اولاً مولانا جنید قاسمی صاحب نے خطاب کیا بعد ازاں مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے تحریک کا تعارف کراتے ہوئے حالات کی سنگینی اور مسلمانان ہند کی دشواریوں پر روشنی ڈالی اور حالات کی نزاکت کو سامعین کے گوش گزار کیا۔ اسی روز بعد نماز مغرب بازار میدان سیلو میں عمومی اجلاس منعقد کیا گیا جس میں برادران وطن کے علاوہ بڑی تعداد میں سیاسی وسماجی احباب نے بھی شرکت کی۔ مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے مسلمانوں کو کہا کہ غفلت سے بیدار ہو جاؤ بزدلی چھوڑ کر اپنے اندر جرأت وہمت اور استقلال وشجاعت پیدا کرو، اختلاف کو ختم کر کے اتحاد پیدا کرو اور اپنے حقیقی دشمنوں کو پہچان کران سے مقابلہ کرو۔ آپ نے تحریک کا تعارف اور پورا خاکہ پیش کیا اور آپ ہی کی دعا پر جلسے کا اختتام ہوا۔

ہنگولی

- مؤرخہ ۱۵؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات کو ہنگولی میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کا پروگرام تحریک کے صوبائی کنوینر مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بعد نماز ظہر منعقدہ خصوصی نشست میں شہر کے تمام مکاتب فکر کے نمائندہ حضرات اور سیاسی وسماجی جماعتوں کے ذمہ داران نے شرکت فرمائی۔ اور مذکورہ تحریک سے متعلق اپنی تائید کا اظہار کیا۔ صدارتی خطاب میں مولانا محترم نے تحریک کی تفصیلات سے روشناس کراتے ہوئے سامعین سے گزارش کی کہ وہ صبر کریں اور صبر کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اللہ کی مرضی پر جم جانا اور حق بات پر ڈٹ جانا صبر ہے گھروں میں چھپ کر زندگی بسر کرنا صبر نہیں، انہوں نے کہا کہ موجودہ فرقہ پرست حکومت کی مکاریوں سے ہوشیار رہنا اور ان کا منہ توڑ جواب دینا انتہائی ضروری ہے۔ اسی روز بعد نماز مغرب منعقدہ عمومی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ہزاروں فرزندان توحید سے آپ نے کہا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ محض حکومت سے مطالبہ کرنے والا اور قانون شریعت میں مداخلت کو روکنے والا ادارہ نہیں بلکہ وہ تو سب سے پہلے اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ مسلمان خود اللہ کے دین اور قانون پر عمل کریں اور اپنے معاشرے میں اسلامی روایات واقدار کو فروغ دیں۔ آپ نے گھر واپسی، یوگا، سوریہ نمسکار جیسے موضوعات پر سخت تیور اپناتے ہوئے کہا کہ حکومت اور دولت کا نشہ رکھنے والے ہمیں خرید نہیں سکتے۔ جب تک اس ملک میں علماء ربانیین موجود ہیں اس وقت تک کوئی شریعت اسلامیہ میں مداخلت نہیں کر سکتا اور نہ دستور میں دی گئی آزادی کو چھین سکتا ہے۔ آغاز میں مولانا جنید الرحمٰن قاسمی صاحب نے بھی تحریک کے اغراض ومقاصد پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کو حوصلہ دیا۔ اور اپیل کی کہ وہ اس تحریک کا مکمل تعاون کریں۔ صدر جلسہ کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔

- مؤرخہ ۱۶؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء نورانی مسجد ملٹھا میں ایک عظیم الشان جلسہ عام بعنوان دین اور دستور بچاؤ تحریک منعقد کیا گیا۔ جس میں صوبائی کنوینر مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب نے دین اور دستور بچاؤ تحریک کے تئیں عوام کو بیدار کرنے کیلئے پر مغز خطاب کیا۔ اور اہل مراٹھواڑہ کے ساتھ پورے ملک کے مسلمانوں کو حوصلہ مندی کے ساتھ عقیدۂ توحید کی حفاظت کے ساتھ سرگرم عمل ہو جانے کی ترغیب دی۔

- مؤرخہ ۲۲؍ اکتوبر ۲۰۱۵ء تعلقہ بسمت نگر ضلع ہنگولی میں دین اور دستور بچاؤ تحریک جلسہ کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت مراٹھواڑہ کے نامور عالم دین حضرت مولانا ابراہیم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے فرمائی۔ اس جلسے میں مفتی شفیق قاسمی رحمانی صاحب نے ابتدائی خطاب کیا اور آخر میں مولانا جنید الرحمٰن قاسمی صاحب نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے سامعین کو دین و دستور کی حفاظت کے تئیں بیدار کیا۔

تلنگانہ وآندھرا پردیش

- ۴؍ ستمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب دار العلوم حیدرآباد کی کشادہ مسجد میں علماء، ائمہ اور سماجی کارکنان کا عظیم الشان اجلاس ہوا۔ جناب

محمد رحیم الدین انصاری صاحب نے اس سلسلے میں بڑی فکرمندی کا ثبوت دیا۔ اس اجلاس کی صدارت محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے فرمائی اور حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب اور مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی کی تقریر ہوئی۔ بورڈ کی مجلس عاملہ کی خاتون رکن ڈاکٹر اسماء زہراء صاحبہ کی کوشش سے پڑھی لکھی خواتین کی قابل لحاظ تعداد بھی اس خصوصی نشست میں شریک ہوئی۔ الحمد للہ یہ اجلاس ہر لحاظ سے کامیاب اور مؤثر رہا اور اس کے ذریعے حیدرآباد اور تلنگانہ دونوں ریاستوں میں تحریک کا پیغام بڑے پیمانے پر پہنچا اور لوگ متوجہ ہوئے۔ جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے پریس کانفرنس کے اخیر میں یہ اعلان بھی فرمایا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی ریاست آندھرا پردیش اور تلنگانہ کے دین اور دستور بچاؤ تحریک کے کنوینر اور جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب معاون کنوینر ہوں گے۔

- ریاست آندھرا پردیش اور تلنگانہ کے کنوینر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور معاون کنوینر جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب کی خصوصی توجہ اور بورڈ کی معزز رکن ڈاکٹر اسماء زہرا صاحبہ کی معاونت سے ۴ ستمبر ۲۰۱۵ء کو حیدرآباد میں آندھرا پردیش اور تلنگانہ کے ارکان بورڈ کی مشاورتی میٹنگ ہوئی جس میں ان دونوں ریاستوں میں تحریک کو منظم کرنے کے لئے مشورہ ہوا۔ پھر ۱۷ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو وسیع پیمانے پر ایک خصوصی مشاورتی نشست کا انعقاد ہوا، جس میں ارکان بورڈ کے علاوہ دیگر ذمہ دار حضرات بھی شریک ہوئے۔

- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے دین اور دستور بچاؤ تحریک کو آگے بڑھاتے ہوئے بڑھتی فرقہ پرستی اور ملک پر ایک خاص طبقہ کی طرف سے اپنے نظریات تھوپنے کے خلاف دارالعلوم حیدرآباد میں اجلاس کا انعقاد کیا جس کی صدارت بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی نے کی۔ پروگرام میں بورڈ نے ملک کے انصاف پسندوں کو آواز دی کہ وہ سیکولرزم کی بقاء کے لئے متحد ہو کر فرقہ پرستی کا مقابلہ کریں اور نفرت کا جوز ہر پھیلایا جا رہا ہے، امن، محبت اور بھائی چارگی کو عام کر کے اس کا مقابلہ کریں۔ اجلاس اگلے دن بورڈ کے رکن جناب اسدالدین اویسی صاحب (ایم پی) کے زیر نظم ان کے قائم کردہ اسری ہاسپٹل میں باضابطہ ایک اعلیٰ سطح پر پریس کانفرنس ہوئی اور اسمیں جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے کہا کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ چاند سورج وغیرہ سب مخلوقات ہیں اور مخلوقات کمزور ہیں، خالق کی عبادت کے سوا اور کسی کی عبادت اسلام میں جائز نہیں اور جو چیزیں اسلامی عقائد سے متصادم ہیں وہ ہرگز ہم قبول نہیں کریں گے۔ تحریک کی تفصیل اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے بورڈ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری نے کہا کہ اس تحریک کی سخت ضرورت ہے، وقت کا تقاضہ ہے کہ ہم ان سازشوں کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کریں، اسی لئے تمام طبقات اور دیگر مذاہب کے نمائندوں کو ساتھ لے کر ہم آگے بڑھے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ اہم اور بیش قیمت چیز ان کا دین و ایمان اور عقیدہ و مذہب ہے جسے کسی بھی حالت میں کسی بھی قیمت پر چھوڑنے یا اس کے کسی حصے سے دستبردار ہونے کا تصور ان کے لئے ناممکن ہے، ملک کے موجودہ حالات کچھ ایسا رخ اختیار کر چکے ہیں کہ مسلمان بجا طور پر اپنے ایمانی وجود اور دینی تشخص کے لئے خطرہ محسوس کر رہے ہیں اور ایک خاص مذہب کی بالا دستی اور اس کو پورے ملک پر مسلط کئے جانے کی کوششوں کی وجہ سے فکرمند اور مضطرب ہیں۔ سرکاری اسکولوں کے نصاب میں بڑے پیمانہ پر تبدیلی اور مشرکانہ اعمال و رسوم کے ذریعہ ایک خاص مذہب کو ملک پر تھوپنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری تدبیروں کے ذریعہ مسلمانوں کو قومی دھارے میں ضم کرنے اور ان کے علیحدہ دینی تشخص کو ختم کرنے کی سازش بھی ہو رہی ہے، کئی اہم قوانین کو از کار رفتہ قرار دے کر ختم کر دینے کی سفارشات بھی زیر غور ہیں، ان میں سے وہ قوانین بھی ہیں جن سے مسلم پرسنل لا متاثر ہوگا۔ بابری مسجد سے متعلق سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ سے متعلق انہوں نے کہا کہ جہاں تک ترپال کی تبدیلی کی اجازت کی بات ہے، اس حد تک ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن سبرامنیم سوامی نے جو رٹ داخل کی ہے بورڈ اس کا مخالف ہے۔ اور مخالفت

بھی درج کرائی گئی ہے۔

بورڈ کے کارگذار جنرل سکریٹری مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ نصاب تعلیم میں ترمیم اور تبدیلی نہایت خطرناک منصوبہ کا حصہ ہے، تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ کسی ایک مذہب کو ملک پر تھوپنا دستور کی بنیادی دفعات سے متصادم ہے۔ یہ تحریک اسی پس منظر میں چلائی جارہی ہے۔ بورڈ کے سکریٹری مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے تین طلاق کے مسئلہ پر ایک سوال کے جواب میں بورڈ کے موقف اور فقہی جزئیات پر روشنی ڈالی۔ مولانا خلیل الرحمان سجاد نعمانی صاحب نے پریس کانفرنس میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ اس میں تمام مکاتیب فکر کو شامل کیا گیا ہے اور یہ تمام مظلوم طبقات کی آواز ہے، یہ صرف مسلمانوں کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے ملک کا مسئلہ ہے اسلئے ملک کے انصاف پسندوں کو ہم آواز دیتے ہیں کہ وہ جمہوریت کی بقا کے لئے ہمارے ساتھ آئیں اور مل جل کر فرقہ پرستی کے خلاف لڑائی لڑیں۔

بورڈ نے اپنے اعلامیہ میں یہ بھی کہا کہ فرقہ پرستوں کے حوصلے دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اور وہ اپنے خطرناک عزائم کو جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، اس سے تشویش میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی صرف مسلمانوں کے لئے نقصان دہ نہیں ہے بلکہ دوسری مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائیاں بھی متاثر ہیں۔ یہ فرقہ پرستی ملک کی سالمیت اور اس کی تعمیر وترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ایک بہت اہم مسئلہ بھارت کے دستور کی اہم بنیادوں، آزادی، مساوات، انصاف اور باہمی اخوت و بھائی چارگی کی حفاظت کا ہے، اب جو صورتحال بنائی جارہی ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بھارت کے سیکولر دستور اور اس کی اہم بنیادوں کو خطرہ لاحق ہے۔ اسی لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے موجودہ حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اور مثبت و منفی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد دین اور دستور بچاؤ تحریک شروع کی ہے جس کے بینر تلے پورے ملک میں رائے عامہ کی بیداری کا انشاء اللہ کام کیا جائے گا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس تحریک میں مختلف مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائیوں اور مظلوم طبقات کو ساتھ لینے اور ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک و اتحاد عمل کے ذریعہ دستور ہند کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا ہے، اس سلسلہ میں دوسری اکائیوں سے بات چیت ہوچکی ہے اور اس کے بڑے حوصلہ افزاء نتائج سامنے آرہے ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانان ہند کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ حالات کی سنگینی کو محسوس کریں اور اپنے دین وایمان کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہوجائیں۔

پریس کانفرنس کے موقع پر پریس کے نمائندوں کی خدمت میں درج ذیل تحریری صحافتی بیان بھی پیش کیا گیا۔

اہل ایمان کے لئے سب سے زیادہ اہم اور بیش قیمت چیز ان کا دین وایمان اور عقیدہ ومذہب ہے، جسے کسی بھی حالت میں کسی بھی قیمت پر چھوڑنے یا اس کے کسی حصے سے دستبردار ہونے کا تصور بھی ان کے لئے ناگوار اور دشوار گزار ہے، ملک کے موجودہ حالات کچھ ایسا رخ اختیار کرچکے ہیں کہ مسلمان بجا طور پر اپنے ایمانی وجود اور دینی تشخص کے لئے خطرہ محسوس کررہے ہیں اور ایک خاص مذہب کی بالادستی اور اس کو پورے ملک پر مسلط کیے جانے کی کوششوں کی وجہ سے فکرمند اور مضطرب ہیں، انہیں بڑی شدت کے ساتھ یہ بات محسوس ہورہی ہے کہ یوگا، سوریہ نمسکار اور وندے ماترم کے ذریعہ انھیں مشرکانہ اعمال ورسوم میں شامل کرنے اور دین وایمان سے بیگانہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور سرکاری اسکولوں اور کالجس کے نصاب و نظام تعلیم میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کرکے اسے ایک خاص مذہب کی نمائندگی کا ذریعہ بنایا جارہا ہے، اس کے علاوہ دوسری اور تدبیروں کے ذریعہ مسلمانوں کو قومی دھارے میں ضم کرنے اور ان کے علیحدہ دینی تشخص کو ختم کرنے کی سازش بھی ہورہی ہے، کئی اہم قوانین کو از کار رفتہ قرار دے کر ختم کردینے کی سفارشات بھی زیر غور ہیں، ان میں وہ قوانین بھی ہیں جن کے خاتمے سے مسلم پرسنل لا متاثر ہوگا۔

اس بات پر بھی فکرمندی میں اضافہ ہوتا ہے کہ فرقہ پرستوں کے حوصلے دن بدن بڑھتے جارہے ہیں اور وہ اپنے خطرناک عزائم کو جلد از جلد پورا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی صرف مسلمانوں کے

لئے نقصان دہ نہیں ہے، اس کی وجہ سے دوسری مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائیاں بھی متاثر ہیں اور انہیں بھی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ فرقہ پرستی ملک کی سالمیت اور اس کی تعمیر و ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

ایک اور بہت اہم مسئلہ بھارت کے دستور کی اہم بنیادوں آزادی، مساوات، انصاف اور باہمی اخوت و بھائی چارگی کی حفاظت کا ہے، اب جو صورت حال پورے ملک میں بنائی جارہی ہے اس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بھارت کے سیکولر دستور اور اس کی اہم بنیادوں کو خطرہ لاحق ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے موجودہ حالات کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے طویل غور و فکر اور مثبت و منفی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' شروع کی ہے جس کے بینر تلے پورے ملک کے طول و عرض میں جلسے، سمینار اور سمپوزیم منعقد کیے جائیں گے اور رائے عامہ کی بیداری کا کام کیا جائے گا، انشاءاللہ۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس تحریک میں مختلف مذہبی، تہذیبی اور سماجی اکائیوں اور مظلوم طبقات کو ساتھ لینے اور ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک و اتحاد عمل کے ذریعہ دستور ہند کے تحفظ کا بیڑا اٹھایا ہے، اس سلسلے میں مختلف اکائیوں سے بات چیت ہوچکی ہے اور اس کے بڑے حوصلہ افزا نتائج سامنے آرہے ہیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانان ہند کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ حالات کی سنگینی کو محسوس کریں اور اپنے دین و ایمان کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہوجائیں اور مشرکانہ رسوم و اعمال سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کریں۔

● مؤرخہ ۱۴ ستمبر بروز پیر کو دفتر مجلس تعمیر ملت، مدینہ مینشن نارائن گوڑہ، حیدرآباد میں حیدرآباد کے ارکان بورڈ کی میٹنگ منعقد ہوئی۔ محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی اسسٹنٹ جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ نے اجلاس کی صدارت کی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سکریٹری بورڈ و کنوینر دین اور دستور بچاؤ تحریک (آندھرا پردیش و تلنگانہ) نے دین و دستور بچاؤ مہم کے اغراض و مقاصد اور طریقۂ کار پر روشنی ڈالی، جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب جوائنٹ کنوینر نے میٹنگ کی کارروائی چلائی، میٹنگ میں حسب ذیل خواتین و حضرات شریک ہوئے:

۱۔ حضرت مولانا قبول پاشا شطاری صاحب
۲۔ جسٹس شاہ محمد قادری صاحب
۳۔ مولانا محمد جعفر پاشا حسامی صاحب
۴۔ جناب عصمت اللہ ایڈوکیٹ صاحب
۵۔ مولانا مسعود حسین مجتہدی صاحب
۶۔ جناب احمد عصمت اللہ خان صاحب
۷۔ محترمہ ڈاکٹر اسماء زہرہ صاحبہ
۸۔ محترمہ سیدہ عقیلہ غوث خاموشی صاحبہ
۹۔ محترمہ صبیحہ صدیقی صاحبہ
۱۰۔ محترمہ جویریہ جمیلۃ النساء صاحبہ
۱۱۔ محترمہ تہنیت اطہر صاحبہ

شہر حیدرآباد کے ارکان بورڈ کی اس میٹنگ میں درج ذیل باتیں طے پائیں:

(۱) دین و دستور بچاؤ مہم کا مرکزی اجلاس شہر حیدرآباد میں منعقد کیا جائے اور اس میں مرکز سے بھی بعض ذمہ داروں کو مدعو کیا جائے، صدر محترم کو بھی لانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) حیدرآباد کے اجلاس کے متصل تاریخوں میں ورنگل، نظام آباد اور کریم نگر میں بھی اجلاس رکھا جائے اور کوشش کی جائے کہ اس میں غیر مسلم مقررین اور سامعین بھی شریک ہوں۔

(۳) اس کے علاوہ تلنگانہ کے مختلف شہروں میں اس سلسلے میں چھوٹے چھوٹے اجلاس رکھے جائیں۔

(۴) آندھرا میں کڑپہ، کرنول، گنٹور، چتور اور وشاکھاپٹنم میں بڑے جلسے منعقد کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۵) جہاں کہیں بڑے پروگرام رکھے جائیں بشرط سہولت رات کے اجلاس عام کے علاوہ دن کے وقت علماء، دانشوران اور خواص کی ایک

نشست رکھی جائے ،اور اسی دن یا اس سے ایک دن پہلے خواتین کا پروگرام رکھنے کی سعی کی جائے۔

(۶) بقرعید کے بعد شہر اور اضلاع سے کچھ اہم شخصیتوں پر مشتمل اجتماع بلایا جائے اور ''دین ودستور بچاؤ مہم'' کی اہمیت بتاتے ہوئے ان کے حلقوں میں ان سے تعاون کی خواہش کی جائے۔

(۷) محترم جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اور جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب کے باہمی مشورہ سے تلنگانہ وآندھرا پردیش کے لئے ''دین و دستور بچاؤ تحریک'' کی ایک کمیٹی بنائی جائے اور کوشش کی جائے کہ اس میں مردوں اورعورتوں کی تمام ملی تنظیموں کی نمائندگی ہو،مولانا قبول پاشا شطاری صاحب کی دعا پر اجلاس ختم ہوا۔

● مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے پھر ایک اہم اجلاس جو اضلاع اور حیدرآباد کے دانشوروں، مختلف تنظیموں کے نمائندوں ،خطباء اور اہم علماء پر مشتمل بلایا تھا، یہ اجلاس دارالعلوم حیدرآباد میں عالی جناب محمد عبد الرحیم قریشی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں تقریباً ایک سو سے زائد حضرات نے شرکت کی، اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ آندھرا پردیش اور تلنگانہ کے لئے ''دین اور دستور بچاؤ'' کمیٹی کی تشکیل کی جائے، چنانچہ پانچ افراد پر مشتمل اڈھاک کمیٹی جس میں جناب عبدالرحیم قریشی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، محمد رحیم الدین انصاری صاحب، حامد محمد خان صاحب (جماعت اسلامی)، اور انور بیگ صاحب شامل ہیں، تشکیل دی گئی۔

● اڈھاک کمیٹی کا ایک اہم اجلاس بمقام دفتر تعمیر ملت مدینہ منشن نارائن گوڑہ میں جناب عبدالرحیم قریشی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں آندھرا پردیش اور تلنگانہ اسٹیٹ کے لئے ''دین اور دستور بچاؤ'' کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں تمام ارکانِ مسلم پرسنل لا بورڈ اور مختلف دینی تنظیموں کے نمائندے ،اور اہم جماعتوں کے نمائندے شامل ہیں۔

اسی اجلاس میں طے کیا گیا کہ آندھرا پردیش کے اضلاع کرنول، کڑپہ، چتور، گنٹور، میں ''دین بچاؤ دستور بچاؤ'' کمیٹی کی تشکیل کے لئے جناب حامد محمد خان صاحب امیر جماعت اسلامی اور ان کے جنرل سکریٹری کو پابند کیا گیا، اور تلنگانہ کے اضلاع نظام آباد، نرمل اور عادل آباد کے لئے جناب رحیم الدین انصاری صاحب اور ورنگل، کھمم اور کریم نگر کے لئے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کو ذمہ دار بنایا گیا، جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب، مولانا حسام الدین ثانی صاحب اور مفتی معراج الدین صاحب ابرابر پر مشتمل ایک وفد نظام آباد، نرمل اور عادل آباد کا دورہ کرتے ہوئے نظام آباد میں ''دین اور دستور بچاؤ'' کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے کنوینر حافظ محمد لئیق صاحب کو بنایا گیا اور سر پرستوں میں جناب الماس خان صاحب اور مولانا ولی اللہ صاحب کا نام رکھا گیا، نیز کمیٹی میں دیگر افراد کی شمولیت کا بھی امکان رکھا گیا، نرمل میں چوں کہ یہاں تبلیغی جماعت کا اجتماع ہو رہا تھا اس لئے بعض علماء اور ذمہ دار اجتماع میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے، اس لئے یہاں اڈھاک کمیٹی کی تشکیل دی گئی اور عادل آباد میں بھی پانچ افراد پر مشتمل اڈھاک کمیٹی کی تشکیل دی گئی ،اڈھاک کمیٹیوں سے یہ خواہش کی گئی کہ وہ دیگر ذمہ داروں کے ساتھ کمیٹی کی تشکیل عمل میں لائیں۔

ان شاء اللہ ان کمیٹیوں سے مسلسل ربط رکھ کر یہاں بڑے پیمانے پر ''دین اور دستور بچاؤ'' کے جلسۂ عام کی تواریخ کا اعلان کیا جائے گا، جس میں اہم ارکان بورڈ، غیر مسلم ذمہ دار، عیسائی ذمہ دار، اور دلت کے اہم قائدین مخاطب کریں گے اور مجمع عام میں بھی مسلمانوں کے علاوہ دیگر تمام فرقوں کے لوگ شریک رہیں گے، جس طرح مرکز سے ہدایت دی گئی ہے۔

● دو دن قبل حیدرآباد میں ہنری مارٹن انسٹیوٹ میں عیسائی، پادریوں اور اوران کے ذمہ داروں پر مشتمل ایک اجلاس بلایا گیا جس کے کنویز عالی جناب اقبال احمد انجینئر صاحب تھے، اس اجلاس میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب، جناب حامد محمد خان صاحب، جناب انور بیگ صاحب کے علاوہ تقریباً دس عیسائی ذمہ داروں نے شرکت کی، جس میں دوخواتین بھی شامل تھیں۔

کرناٹک

● مؤرخہ ۳ر ستمبر ۲۰۱۵ء مطابق ۱۸ر ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ کو کانفرنس ہال یتیم خانہ اہل اسلام بنگلور میں دین اور دستور بچاؤ تحریک آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا ایک اہم اور عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا۔

آزادی کے بعد سے لیکر اب تک ملّت اسلامیہ مختلف مصائب کا شکار رہوئی ہے بڑے بڑے پریشان کن مرحلے اس پر گذرے، ہولناک فسادات اور ناجائز مقدمات کے ذریعہ بھی اسے ستایا گیا اور ستایا جارہا ہے، جان و مال، اورعزت وآبرو کی بربادی کے بہت سے گھاؤ بھی اسے سہنے پڑے ہیں لیکن اب جن حالات ومشکلات سے یہ ملّت دوچار ہے اسمیں جان و مال اورعزت وآبرو سے زیادہ دین وایمان کی بربادی کا اندیشہ ہے حالات کا تقاضا ہے کہ آپ ہمت وحوصلہ کے ساتھ دین وایمان کے تحفظ اور مظلوموں کی حمایت کیلئے آگے بڑھیں۔ یہ فکر انگیز خیالات ہیں حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہ (کارگذار جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ) کے، آپ یتیم خانہ اھل اسلام بنگلور میں منعقدہ مشاورتی نشست میں علماء، ائمہ اور سرکردہ افراد کے خصوصی مجمع سے مخاطب تھے، حضرت مولانا نے گفتگو کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ موجودہ حالات میں صرف مسلمان ہی پریشان نہیں ہیں بلکہ عیسائی، سکھ، بدھسٹ، لنگایت بھی مظلوم اور ملکی حالات سے فکرمند ہیں۔ آپ کے علاوہ جو دوسرے مظلوم طبقات اور دبی کچلی تہذیبی اور سماجی اکائیاں ہیں اور جن پر بڑے مظالم ڈھائے جارہے ہیں ان کی امداد ومعاونت بھی آپ کی اخلاقی اور دینی ذمہ داری ہے۔

قبل ازیں نامور عالم دین ورکن مجلس عاملہ بورڈ مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی صاحب نے اپنے تفصیلی خطاب میں مسلم پرسنل لا اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی تاریخ پر روشنی ڈالی، اور بتایا کہ مشکل حالات میں بروقت رہنمائی مسلم پرسنل لابورڈ کا خاص امتیاز ہے اس بورڈ نے ملّت اسلامیہ کی اہم اور قابل قدر خدمت انجام دی ہے، قانون شریعت کے تحفظ کے سلسلے میں مختلف مرحلوں میں کامیاب تحریکیں چلائی ہیں، متبنّیٰ بل کے سلسلے میں اندرا گاندھی کے دور اقتدار میں مسلم پرسنل لا کو کالعدم قرار دیئے جانے کا خطرہ محسوس کیا گیا اور امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند کی قیادت میں بورڈ کا قیام عمل میں آیا تھا اور بڑی بصیرت اور دوراندیشی کے ساتھ بورڈ میں تمام مسالک اور مکاتب فکر کو شامل کیا گیا تھا۔ الحمدللہ یہ اتحاد بھی ملّت کیلئے بڑا مفید اور ہر طرح لائق تحسین ہے۔

حالات کی نزاکت پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ غیرت ایمانی اور حمیت دینی کے ساتھ مشکل حالات کا بھرپور مقابلہ کریں اور ہمت وحکمت کے ساتھ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی جانب سے شروع کی گئی **"دین اور دستور بچاؤ تحریک"** کیلئے اپنے شہر میں فضاء سازی کا کام کریں۔

مشاورتی نشست کا آغاز حافظ محمد حارث کی تلاوت سے ہوا، نعت پاک محمد حسین شریف نے پڑھی، ابتدائی گفتگو ناظم اجلاس محمد عمرین محفوظ رحمانی (رکن بورڈ، مالیگاؤں مہاراشٹر) نے کی، یتیم خانہ اہل اسلام کی جانب سے اکابر علماء وقائدین ملّت کیلئے کلمات استقبال جناب حافظ سعید الدین صاحب نے پیش کئے، نشست کے آخر میں ریاست کرناٹک کے معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب (مہتمم الجامعۃ الاسلامیہ مسیح العلوم) جناب سراج ابراھیم سیٹھ صاحب (رکن بورڈ) مفتی افتخار احمد قاسمی (صدر جمیۃ العلماء بنگلور) نے تحریک کی تائید وحمایت کرتے ہوئے اہل بنگلور کے تعاون کا یقین دلایا۔ اور اس بات کا اعلان کیا کہ بڑے پیمانے پر دو یا تین روزہ پروگرام بنگلور شہر میں رکھا جائیگا انشاء اللہ۔

مشاورتی نشست میں منتخب افراد کی قابل لحاظ تعداد شریک رہی بالخصوص اہم شرکاء میں مولانا عبدالقادر شاہ واجد صاحب امام جمعہ مسجد، مولانا عتیق الرحمٰن رشادی صاحب مہتمم کلیۃ السعودیہ، مولانا اکبر شریف صاحب ندوی، شیخ الحدیث دارالعلوم شاہ ولی اللہ بنگلور، مولانا عبدالرحیم رشیدی صاحب صدر جمیعت العلماء (ارشد مدنی)، مولانا اسلام انجم صاحب، جناب سراج اللہ خان صاحب، جناب محمد ثناء اللہ صاحب (I.A.S)

ریٹائرڈ) جناب سید ضمیر پاشا صاحب (I.A.S ریٹائرڈ)، جناب یوشا راحمد صاحب (IPS ریٹائرڈ)، جناب مسعود عبدالقادر صاحب کنوینر مسلم متحدہ محاذ، جناب فیروز عبداللہ صاحب مالک فیروز اسٹیٹس، جناب شفیع الرحمٰن صاحب، جناب ابراہیم شفیق صاحب، جناب مولانا ڈاکٹر مشتاق احمد رشادی صاحب، ڈاکٹر خواجہ پیر صاحب سابق وائس چانسلر قابل ذکر ہیں، مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ مولانا فریدالدین مدنی عمری صاحب نے انجام دی، اور حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔

- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے معزز رکن جناب ڈاکٹر سید شاہ گیسو دراز خسرو حسینی صاحب (سجادہ نشین خانقاہ گلبرگہ شریف) کی خصوصی توجہ سے کلبرگی میں دین اور دستور بچاؤ تحریک کے سلسلے میں اہم اجلاس منعقد ہوا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دین اور دستور بچاؤ تحریک کو کامیاب بنانے اور ملک کے موجودہ سنگین ملی مسائل پر غور وفکر کیلئے ایک اہم اجلاس کے بی این آڈیٹوریم کلبرگی میں مؤرخہ ۷ ستمبر بروز پیر مرکزی سیرت کمیٹی ضلع کلبرگی کی جانب سے زیر پرستی ڈاکٹر سید شاہ گیسو دراز خسرو حسینی صاحب رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ منعقد ہوا، کرناٹک کے وزیر اقلیتی بہبود جناب قمر الاسلام صاحب نے صدارت کی۔ محمد اصغر چلبل صاحب نائب صدر مرکزی سیرت کمیٹی ضلع گلبرگہ نے اپنے کلیدی خطبے میں کہا کہ جب بھی مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی کوشش کی گئی آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے اس کو ناکام بنادیا۔ انہوں نے کہا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر ایک اہم فیصلہ کیا ہے جس کی تمام مسلمان بھرپور حمایت کریں گے۔ ملک میں نریندر مودی کے برسر اقتدار آنے کے ساتھ ہی ملک کے دستور کو تبدیل کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور آر ایس ایس کے دیرینہ خواب ملک کو ہندو راشٹر میں تبدیل کرنے کی راہیں ہموار کی جانے لگی ہیں۔ محمد اصغر چلبل نے کہا کہ ہندوستان کا سیکولر بنے رہنا مسلمانوں کیلئے سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اسی میں انہیں مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔ انہوں نے کہا کہ صرف مسلمان اور سیکولرازم پر یقین رکھنے والے دیگر مذاہب کے لوگ ہی ملک کو سیکولر بنائے رکھنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز بیانوں کے ذریعے ملک میں ہندو اور مسلمانوں کے درمیان نفرت پیدا کرنے اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کے خلاف گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کا ووٹ دینے کا حق چھین لینے اور پاکستان چلے جانے جیسے نعروں کے ذریعے ملک کے عام مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایسے حالات میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے دین اور دستور بچاؤ تحریک کا اعلان کیا ہے۔ بورڈ کی یہ تحریک اگر پوری طاقت کے ساتھ چلائی جائے تو اس سے فرقہ پرستوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ فرقہ پرستوں کے مقابلے کیلئے مسلمانوں کو دیگر غیر سیکولر عوام کی حمایت بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔

انہوں نے بتایا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی دین اور دستور بچاؤ تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے مسلکی اختلافات اور سیاسی وابستگی سے بلند ہو کر کلمے کی بنیاد پر اتحاد کا مظاہرہ کیا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر سید شاہ خسرو حسینی نے اپنی تقریر میں اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ دین اور دستور بچاؤ تحریک پر تمام مسلک کے علماء و رہنما جمع ہوئے ہیں۔ قمر الاسلام صاحب نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ نے ساری دنیا میں جو انقلاب برپا کیا وہ ایک مکمل انقلاب ہے۔ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے۔ آپ ﷺ کے ذریعے قیامت کے دن تک ہمیں یہ دین ملا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہندوتوا ایجنڈہ کے تحت متعارف کئے جارہے پروگراموں کو دستور مخالف قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسلام میں دین و دنیا کی بہتری کے علاوہ صحت کو بنائے رکھنے کے تمام پروگرام پیش ہیں۔ انہوں نے کہا کہ نماز سے بڑھ کر جسمانی و روحانی فائدہ دینے والی کوئی عبادت نہیں اور اس کی کسی مذہب میں نظیر نہیں۔ الحاج قمر الاسلام نے کہا کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانان ہند کا نمائندہ بورڈ ہے اور مسلمان کلمہ کی بنیاد پر متحد ہو کر بورڈ کے ہر فیصلہ پر عمل کریں گے۔

انہوں نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قائدین، مولانا سید

ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا منت اللہ رحمانیؒ، مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا عبدالکریم پاریکھؒ، ابراہیم سلیمان سیٹھؒ، غلام محمود بنات والاؒ کی ملی و دینی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان قائدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دین و دستور کو بچانے کے لئے نوجوانوں سے بھرپور کام لیا جائے گا۔ انہوں نے علماء و دانشوران ملت سے اپیل کی کہ وہ نئی نسل کی عصری تقاضوں کے مطابق رہنمائی و تربیت پر توجہ دیں۔

اس موقع پر مولانا نصیر الدین خان رشادی صاحب مصباح العلوم، مولانا مفتی سید عبدالرشید صاحب خطیب و امام مسجد عالمگیر، مولانا قاضی عبدالوہاب رشادی صاحب خطیب و امام جامع مسجد اسٹیشن بازار، امجد جاوید صاحب رکن کرناٹک اردو اکیڈمی و پرنسپل نیشنل پی یو کالج اور پروفیسر عبدالحمید اکبر صاحب گلبرگہ یونیورسٹی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ مسلمان کسی بھی قیمت پر دین میں مداخلت برداشت نہیں کریں گے اور یہ بھی کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی تحریک سے متعلق ایک کمیٹی گلبرگہ سے تشکیل دی جائے گی۔ جس کی سرپرستی حضرت ڈاکٹر شاہ خسرو حسینی صاحب قبلہ فرمائیں گے۔ جب کہ الحاج قمر الاسلام صاحب اس کے صدر ہوں گے۔ یہ کمیٹی کل جماعتی سطح پر تشکیل دی جائے گی۔

قبل ازیں کارروائی کا آغاز قاری ڈاکٹر عبدالحمید اکبر صدر شعبہ اردو و فارسی گلبرگہ یونیورسٹی کی قرأت کلام پاک سے ہوا۔ الحاج اسد علی انصاری صاحب چیرمین ضلع وقف مشاورتی کمیٹی گلبرگہ نے نعت خوانی کا شرف حاصل کیا۔ کل جماعتی اجلاس عام کی سرپرستی تقدس مآب ڈاکٹر سید شاہ گیسودراز خسرو حسینی صاحب قبلہ سجادہ نشین بارگاہ بندہ نوازؒ و رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فرمائی۔ انہوں نے اپنے خطاب گرامی میں تعلیمی نصاب اور تاریخ کو زعفرانی رنگ دینے کی کوششوں کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس ملک میں مسلمان ایک ہزار سال کی تاریخ رکھتے ہیں۔

کلکتہ

- ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۵ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی ملک گیر پیمانے پر ''دین اور دستور بچاؤ تحریک'' کی ایک مشاورتی میٹنگ شہر کے پارک سرکس میں واقع ہمایوں کبیر انسٹی ٹیوٹ کے کانفرنس ہال میں ہوئی جس میں شرکا نے متفقہ طور پر کلکتہ میں بورڈ کے عظیم الشان اجلاس کو وقت کی اہم ضرورت اور سیکولر ہندوستان میں دستور کو بچانے کی ایک تعبیر بتایا۔ متوقع طور پر یہ اجلاس ماہ نومبر کے آخری عشرے میں پارک سرکس میدان میں ہوگا۔ سابق مرکزی وزیر و رکن مسلم پرسنل لا بورڈ جناب سلطان احمد صاحب نے کہا کہ کلکتہ اور بنگال کے مسلمانوں کے ساتھ ہم وطنوں کو بھی ایک پلیٹ فارم پر لانے کا کام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے کیا ہے۔ کلکتہ میں بڑے پیمانے پر ایک عظیم الشان جلسے کی ضرورت ہے۔ جس میں اہل سنت والجماعت، اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی، بوہرہ، شیعہ الغرض تمام مکتبہ فکر کو اس میں شامل کرنا ہوگا۔ اس کیلئے شہر کے علاوہ مضافات میں بھی اراکین کو دورے کرنے ہونگے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایسے اجلاس میں جانا فخر محسوس کرتا ہوں۔ 2009ء سے 2012ء کے درمیان جب میں مرکزی وزیر تھا تو جے پور، سہارنپور، اجین، لکھنو وغیرہ میں منعقدہ اس کے بڑے اجلاس میں فخر کے ساتھ شرکت کی تھی۔ آج پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ روزانہ اخبارات میں فسادات کی خبریں آتی ہیں بلکہ اب اخبار والے فساد کو جھڑپ کا نام دے رہے ہیں اور جب تفتیش کی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ 500 مسلمانوں کو کسی گاؤں سے بھاگنے کیلئے مجبور کیا گیا۔ اس سے پہلے ایسے حالات نہیں تھے۔ فساد میں 50 مسلمانوں کا گھر جلتا تھا تو 10 ہندوؤں کا بھی جلتا تھا لیکن اب سارے گھر مسلمانوں کے ہی جلائے جاتے ہیں۔ اترپردیش سے لیکر مدھیہ پردیش تک جو واقعات 20/25 برس قبل ہوئے ہیں۔ آج اس کے جرم میں مسلمانوں کو جیل اور جرمانے کی سزا دی جارہی ہے۔ آج ملک کو بچانے کی ضرورت ہے اور اس دستور کو بھی بچانے کی ضرورت ہے جس نے ہمیں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی ہے۔ گزشتہ 2/3 برسوں سے فسطائی طاقتوں کے خلاف ہمارے سیکولر ہندو بھائی اخبارات میں متواتر لکھ رہے ہیں۔ ہمیں انہیں ساتھ لیکر چلنے کی ضرورت ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۸ پر)

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.